ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

جون 2022- ذیقعد 1443ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 06 | جون 2022ء | جلد 30

مدیرِ اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	سعید بدر (مرحوم)	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	4
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	10
5	حاجی محمد نثار احمد (مرحوم)	سید ریاض حسین شاہ	12
6	نقشبندیہ عجب قافلۂ سالار ہیں	پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	13
7	حکمتِ قرآن	سید ریاض حسین شاہ	17
8	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	19
9	قرآن اور تصورِ عدل	محمد شریف سیالوی	23
10	مسالک الحفاء	علامہ آصف محمود	27
11	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	33
12	ماہِ ذیقعد کی فضیلت و برکات	ذیشان کلیم معصومی	34
13	رہبر کی ضرورت	آصف بلال آصف	35
14	صبح پڑھو قران، شام پڑھو قرآن	ماسٹر احسان الٰہی	37

مشیرِ ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

نعت کیا ھے ؟

محمد سعید احمد بدر (مرحوم)

نعت جذب وشوق کی ہے اک ادائے دل نشیں
نعت شاعر کی تمناؤں کا ، اِک خوابِ حسیں
نعت قندیلِ محبت ، نعت شمعِ زندگی
نعت نورِ قلب و جاں ہے ، نعت نورِ بندگی
نعت ہے تفسیرِ قرآن و حدیث مصطفیٰ ﷺ
نعت ہے تذکارِ محبوب و محبِ کبریا
نعت ہے گلدستۂ گل ہائے رنگین و حسیں
لالہ و گل، نرگس و سوسن ، گلاب و یاسمیں
نعت ہے مدح و ثنائے سیدِ خیرالانام
راہ میں آتے ہیں جس کے سخت اور مشکل مقام
نعت کیا ہے؟ دھار ہے تلوار کی یا پُل صراط
جس پہ چلنے کا ہے کس میں حوصلہ؟ کس کی بساط
نعت ہے افراطِ اور تفریط سے بچنے کا نام
نعت ہے حشو وزواید سے سنبھل جانے کا نام
نعت توفیقِ خداوندی کا اک اظہار ہے
جس کو یہ نعمت ملے اس کا سفینہ پار ہے
نعت سے تشکیک کے کہسار ہوتے ہیں نگوں
نعت سے تخمین وظن کے دشت، ویران وزبوں
نعت کیا ہے ؟ داستانِ خواجۂ بدر وحنین
نعت کیا ہے؟ تازہ کرنا آج پھر رسمِ حسین
نعت ہے صدیق اکبر کی صداقت پر عمل
نعت ہے فاروقِ اعظم کی عدالت پر عمل
نعت ہے عثمانِ ذیشاں کی سخاوت پر عمل
نعت ہے خیبر کے فاتح کی شجاعت پر عمل
نعت ہے شبیر کے شوقِ شہادت پر عمل
نعت ہے حضرت ابوذر کی قناعت پر عمل
نعت ہے نورِ ہدایت اور بشارت پر عمل
نعت ہے حسان ثابت کی روایت پر عمل
نعت کیا ہے سوزِ رومی نعت ہے عشقِ اویس
نعت ہے دشت جنوں میں، جستجو لیلائے قیس
نعت سے ہوتی ہے صبح، نعت ہی سے شام ہے
نعت ہی آغازِ ہستی ، نعت ہی انجام ہے
نعت ہے ظفر علی کا دبدبہ و طنطنہ

نعت ہے اقبال کا سوز و سرور و ولولہ
نعت سے سجدوں میں ملتا ہے سرورِ سرمدی
نعت اہلِ دل کو دیتی ہے شعور و آگہی
نعت سے ہوتا ہے حاصل سوزِ دل، نورِ یقیں
نعت قلب وجاں کی راحت، نعت سے روشن جبیں
نعت ہی سے عرش وکرسی ، نعت سے لوح وقلم
نعت ہی سے ہے فروغِ زندگانی دم بدم
نعت کیا ہے؟ درحقیقت سنتِ پروردگار
نعت ہے حُور و ملائک کا وظیفہ اور شعار
نعت کیا ہے؟ درحقیقت علم وحکمت کا جمال
نعت کیا ہے؟ درحقیقت عشق ورِقّت کا جلال
نعت کیا ہے؟ درحقیقت موجۂ دریائے نور
نعت کیا ہے؟ درحقیقت دولتِ فہم وشعور
نعت کیا ہے؟ اشک ہائے تر سے موتی رولنا
آنسوؤں سے بات کرنا، منہ سے کچھ نہ بولنا
نعت کیا ہے؟ شہر طائف میں مظالم کا بیاں
سر سے پاؤں تک رسول اللہ ﷺ کا تھا خُوں رواں
نعت کیا ہے؟ یاد کرنا قصہ ہائے درد وغم
اہلِ مکہ کے رسولِ پاک پر ظلم وستم
نعت کیا ہے؟ تازہ کرنا رسمِ مولائے بلال
نعت کیا ہے؟ یاد کرنا رنج وغم کے ماہ وسال
نعت کیا ہے؟ تپتے انگاروں پہ بھی پڑھنا درود
نعت تلواروں کے سائے میں مسلماں کے سجود
نعت کیا ہے؟ دل کے ٹوٹے تار پھر سے جوڑنا
اور ان کو گنبدِ خضرا کی جانب موڑنا
نعت کیا ہے؟ کملی والے سے تعلق جوڑنا
ماسویٰ اللہ سے، بتوں سے رشتے ناطے توڑنا
نعت کیا ہے؟ دردمندوں کی نوائے دردناک
نعت کیا ہے؟ اہلِ فرقت کی صدائے سوزناک
نعت کیا ہے؟ بندۂ مومن کی اک بانگِ اذاں
کفر واستبداد کے ظلمت کدوں کے درمیاں
نعت کیا ہے؟ اک قصیدہ ہے رسولِ پاک کا
نعت کیا ہے؟ تذکرہ ہے صاحبِ لولاک کا

نعت کیا ہے؟ تپتے صحراؤں میں نخلِ سایہ دار
نعت کیا ہے؟ بارشِ رحمت میانِ ریگ زار
نعت کیا ہے؟ دشت ویراں میں ہو پیدا مرغزار
نعت کیا ہے؟ چشمۂ الفت سے موجوں کی پھوار
نعت صحراؤں کے اندر ایک نخلستان ہے
نعت کفرستان میں گویا کہ پاکستان ہے
نعت بخشش کا ذریعہ ، نعت جنت کی کلید
نعت ، دربارِ رسالت تک رسائی کی نوید
نعت ہے توصیف کا اک سلسلہ در سلسلہ
تا ابد جاری و ساری ، مرحلہ در مرحلہ
نعت کیا ہے؟ ہر گھڑی لب پہ رہے ذکر حضور
نعت کا حاصل ہے کیا؟ دل کا سکوں، جاں کا سرور
نعت کیا ہے؟ دل کے گلشن میں بہاروں کا پیام
نعت کیا ہے؟ بندۂ عاصی کا آقا کو سلام
نعت کیا ہے؟ اعترافِ عزّ و شانِ مصطفیٰ
نعت کیا ہے؟ مدحت خیرالبشر خیرالوریٰ
نعت کیا ہے؟ عشق ومستی، الفت وسوز وگداز
نعت کیا ہے؟ اہلِ دل کے واسطے عجز و نیاز
نعت کیا ہے؟ نامۂ جبریل کا اک نام ہے
نعت کیا ہے؟ یہ خدا کا آخری پیغام ہے
نعت کیا ہے؟ بدرِ غمگیں کی نوائے رنج وغم
زندگی بھر جس کی جانِ زار پر ٹوٹے ستم
نعت کیا ہے؟ درحقیقت نالۂ اہل فراق
نعت ہے ، مدحِ محمد صاحبِ تاج و بُراق
نعت کیا ہے؟ درد کے قصوں کی گٹھڑی پھولنا
پھر حسیں لفظوں میں ان کو جان ودل سے تولنا
نعت کیا ہے؟ دل فگاروں کا مدینے کو سفر
نعت کیا ہے؟ گنبدِ خضرا کی جانب اک نظر
نعت کیا ہے؟ قلبِ عاشق کا مدینے میں قیام
پیش کرنا آنسوؤں کی جھالریں ، با احترام
نعت دربارِ نبوت میں فقیروں کا سلام
نعت ، مہجوروں ، یتیموں اور اسیروں کا سلام
نعت کیا ہے؟ بیکسوں اور بے نواؤں کی پکار
حسرتوں ، ناکامیوں اور التجاؤں کی قطار
نعت کیا ہے؟ دل کے زخموں کے لیے خاکِ شفا
نعت کیا ہے؟ دردمندوں کے لیے آبِ بقا
نعت کیا ہے؟ درحقیقت چشمِ شاعر کا وضو
نعت ہی سے بدر! تیرے شعر کی ہے آبرو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''حدیثِ شوق نگاہوں سے بھی کہی نہ گئی''

گزشتہ ایام کی لوح تاریخ پڑھی اور یہ احساس گہرا، عمیق اور غم آگیں ہو گیا اور اپنی اس سوچ کو پختہ کر لیا کہ مبارک وقت اور بلند تاریخ آسانی سے حاصل نہیں ہوتے۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر دھواں اور بھڑکتی آگ دیکھ کر اپنی قوم کی ویرانی کا شدت سے احساس ہوا۔ میرا یقین ہے کہ میرے الفاظ اور کلمات میں وہ گونج سما نہیں سکتی جو میرے کانوں نے گزرے ہوئے لمحات میں محسوس کی۔ سوچیں بانس کی آگ کی طرح جلتی ہیں۔ جب یہ تخیل آسمانی کے ساتھ برستی ہیں تو حیرانگی قلم کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے کہ ہم سب منافقت کی رسیوں میں خود کو جکڑ کر جھوٹ، دھوکہ، نفاق، ڈرامے اور بڑھکوں میں اپنا تابناک مستقبل تلاش کرتے ہیں۔ نجانے ہمارا میخانۂ فکر مدہوش کیوں ہے۔ عزت کی بلندی اور روشنی صدق اور سچ کی تلاوت سے مل سکتی ہے۔ اتنی محنت اور صبر اگر ہم سچائی کے راستے میں اپنا لیں تو طاغوت خود سرنگوں ہو سکتا ہے۔ سمجھتا ہوں کہ الفاظ کی شدت سے شیطان بھڑک جائے گا۔ پیغام کی مہک شبنم کے قطروں میں سمو کر ہی قوم کے وجود پر نچھاور کی جا سکتی ہے۔

ہمارے عظیم سیاست دانوں، دانشوروں، زور آور قائدین اور علماء و مشائخ سے اگر کچھ کام ملت ساز ہو نہیں سکتا تو آؤ شاعری شروع کر دیں۔ شاید اچھے لفظوں کی تخلیق عزم ساز اور زندگی بخش ثابت ہو جائے اور ہماری جذباتی آوارگی کوئی راہ پا لے۔ جو قوم علی رضی اللہ عنہ والوں سے یزید والوں کو زیادہ یاد کرتی ہو، موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ فرعون کے نام کا ورد کرنے میں لذت حاصل کرتی ہو اور ٹیپو سے زیادہ میر صادقوں کے نام کی مالا جپتی ہو اسے توبہ ہی کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ شاید ندامتیں اور پشیمانیاں ہمارے قومی گناہوں کی بخشش کا سبب بن جائیں۔ قوم کو شاید ان لوگوں کی زیادہ ضرورت ہے جو گلابوں کو خون اور خون کو گلاب کہنے کے نشیبے بن گئے ہوں۔ علامہ اقبال کی روح کتنی بلند پرواز اور حساس تھی کہ مستقبل کے گالی گلوچ کا تعفن انہیں محسوس ہو گیا تھا اسی لیے وہ نئی تہذیب کے انڈوں کو گندا کہہ رہے تھے۔

اللہ عزم و ہمت سے نکھار عطا کرے! ربّ راکھا!

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 84 تا 95 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَالنَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ کَیۡفَ یَہۡدِی اللّٰہُ قَوۡمًا کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ وَشَہِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ اَنَّ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃَ اللّٰہِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَلَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَاَصۡلَحُوۡا ۟ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُہُمۡ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِہِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَہَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰی بِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَّمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۹۱﴾ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىۃِ فَاتۡلُوۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾

''کہہ دیجیے! ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو بھی ہماری طرف اُتارا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں ڈالتے اور ہم اسی کے لیے روئے نیاز خم کرنے والے ہی اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کیا تو ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ایسی کسی قوم کو اللہ کیسے منزل نصیب فرمائے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کر دیا ہو حالانکہ وہ خود گواہ تھے کہ رسولِ معظّم حق ہیں اور ایسے لوگوں کے پاس روشن دلیلیں بھی آ چکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو کبھی بھی راہ یاب نہیں فرماتا ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت پڑتی رہتی ہے، وہ ہمیشہ اس پھٹکار میں پڑے رہیں گے ان پر عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح میں لگ گئے تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو بھی اُن سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، ان کے لیے درد دینے والی سزا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار بھی نہیں ہرگز تم نیکی نہیں پا سکو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اُس سے جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو بھی تم کوئی چیز خرچ کرتے ہو تو اللہ اُسے خوب جاننے والا ہوتا ہے، کھانے تو تمام ہی اولادِ یعقوب کے لیے حلال تھے سوائے ان کے جو یعقوب نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر خود حرام کر لیے تھے، آپ فرما دیں تورات لاؤ تو سہی پھر پڑھو اسے اگر تم سچّے ہو۔ پھر اس کے بعد بھی جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں آپ فرمائیے! اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیمی دین کے پیروکار بن جاؤ جو ہر باطل سے جُدا ہے اور آپ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

"کہہ دیجیے! ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو بھی ہماری طرف اُتارا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں ڈالتے اور ہم اسی کے لیے روئے نیاز خم کرنے والے ہیں"۔

کائنات ہستی کی محمودیت اعلیٰ

آیت میں رسول اکرم ﷺ سے کہا جا رہا ہے، محبوب اب آپ فرما دو اس لیے کہ آپ کی زبان کو سعادتوں اور راست بازیوں کا سرچشمہ بنا دیا گیا ہے۔ آپ ہی کے وجود کو مقدس اور مطہر محبت کا مرکز و محور ہونے کی فضیلت دے دی گئی ہے، فلہٰذا آپ فرمایئے آپ کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ افکار کو مستقیم بنانے کا وسیلہ بن جائیں گے، اس لیے آپ اپنی زبان سے عرفان حق کے موتی نچھاور کریں اور اسلامی تحریک کی فکری تلخیص لوگوں کے سامنے لے آئیں، اس لیے کہ آپ کے لفظ خدائی احکام کی تبلیغ بھی ہوگی اور آپ کے غلاموں، چاہنے والوں کی اعتقادی ترجمانی بھی ہوگی۔ پہلوں کے بارے میں عقیدوں کے غنچے چٹک کر پھول بھی بنیں گے اور بعد میں آنے والوں کے لیے رہبری اور رہنمائی کی شاہراہ بھی کھل جائے گی۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان لانے والے ہیں اگر کوئی کور چشم آب صافی کے چشمۂ مطہر کا منکر ہو تو اس کے سامنے پانی کے جام غٹا غٹ نوش کرنا، جگر کو ٹھنڈا کرنا اور لذت کامی پر اپنے مالک کا شکر ادا کرنا دیکھنے والے کی تنگ ظرفی کی حقیقت کو کھول دیتا ہے تو بلا مثل عرض کروں گا کہ آیت میں نہ ماننے والوں کے سامنے ڈٹ کر یہ کہنا کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں، منکروں کا کلیجہ بھی نہیں چھوڑتا۔

آیت میں اگلا جملہ راسخ عقائد کی مزید عطر بیزی کرتا ہے اور تعلیم و تربیت کی خوشبو وجود علم کے رواں رواں کو مشک بار کر دیتی ہے۔ منوایا یہ جاتا ہے کہ ہم وہ بھی مانتے ہیں جو ہم پر اترا اور اُسے بھی تسلیم کرتے ہیں جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام پر اترا۔ اُمت مسلمہ اللہ کے عہد و میثاق پر قائم ہے اور بلا تفریق تمام انبیاء پر ایمان لاتی ہے۔ یہ اُمت ہر قسم کی عصبیتوں سے پاک ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کا انداز فکر یہ نہیں کہ وہ دیکھیں کون سا نبی کس نسل کا ہے اور کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اُمت مسلمہ تو انبیاء پر اس لیے ایمان لاتی ہے کہ اللہ نے انہیں مبعوث کیا ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سب کے سامنے برابر نور کا آئینہ رکھ دیا ہے اور دعوت دی ہے کہ دیکھو متعصب شخص کا چہرہ یہودیوں نصرانیوں کا ہے یا مسلمانوں کا ہے۔ مسلمان تو انبیاء اور رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں جب کہ یہودی اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کے بارے میں نسلی تعصب کی بنا پر تفریق کے قائل ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں تکوینی تصویر سے اسلامیت ابھاری گئی تھی۔ اب اس آیت کے آخر میں یہ جملہ جاذب روح ہے کہ ہم اُسی کے لیے مسلمان ہیں اور اب اسلام کے فضائل و محامد میں چوٹی کی چیز یہ ہے کہ محمد ﷺ کے لیے فدویت اور جان نثاری کی سپاس گزاریاں عام اور ارزاں ہوں۔

واللہ اعلم

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۵﴾

"اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کیا تو ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا"۔

قرآن مجید کا تیسرا پارہ تین چار آیات کے بعد اختتامی دائرے میں داخل ہو جائے گا۔ مضامین میں پُرکیف بہار زندہ ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ کفر، مایوسی اور نا اُمیدی پر موت طاری ہوگئی ہے۔ منافقت کے قبیلے کے ہر فرد نے ماتمی لباس پہن لیا ہے، معانی اور مطالب کے عندلیب ملہار گا رہے ہیں۔ افکار کے پھول خنداں ہیں اور دعوات کی کلیاں متبسم ہیں۔ سینوں میں محبوب سے وصل کا جذبہ تڑپنے لگ گیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت تلاش حقیقت کے فدائیوں کو صراط المعبود اور طریق المحبوب کی راہ ڈال رہی ہے اور زندگی کو بہار خیزی سے آشنا کرنے کے لیے دین کی تلاش کو منزل بنا رہی ہے اور اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرنا جرم قرار دے رہی ہے۔ آیت سمجھاتی ہے کہ وہ لوگ جو اسلام کی واقعیت سے بیزاری کی راہ پڑیں گے ان سے زندگی کے یہ اُلٹے سیدھے مطلب ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسے کم بخت لوگ آخرت کے دن زیاں کاروں سے ہوں گے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے وجود کا سرمایہ خرافات، بدعات، ہفوات اور جاہلانہ تعصّبات کے عوض بیچ دیا ہوگا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

"ایسی کسی قوم کو اللہ کیسے منزل نصیب فرمائے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کر دیا ہو حالانکہ وہ خود گواہ تھے کہ رسولِ معظم حق ہیں اور ایسے لوگوں کے پاس روشن دلیلیں بھی آ چکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو کبھی بھی راہ یاب نہیں فرماتا"۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں علماء نے تین روایات نقل کی ہیں:

☆ پہلی روایت حارث بن سوید کے بارے میں ہے کہ اس کے ہاتھ سے یذر بن زیاد نامی ایک شخص قتل ہوگیا۔ سزا کا خوف طاری ہوا تو اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچا تو پشیمانی ہوئی اور سوچوں میں ڈوب گیا کہ اب میں کیا کروں۔ تدبیر بنائی کہ ایک آدمی کو مدینہ میں رشتہ داروں کے پاس بھیجوں تا کہ وہ پیغمبر ﷺ سے پوچھیں کیا اُس کے لیے واپس لوٹنے کی کوئی راہ ہے یا نہیں۔ اس پر قرآن مجید کا یہ حصہ نازل ہوا اور کچھ خاص شرائط کے ساتھ توبہ قبول ہونے کا عندیہ دے دیا گیا۔ حارث چنانچہ واپس لوٹا اور مسلمان ہوگیا

اور وفا کے ساتھ اپنی وابستگی آخر عمر تک قائم رکھی لیکن اس کو چاہنے والے گیارہ افراد اپنے ارتداد پر قائم رہے (302)۔

☆ دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ دس آدمی تھے جو مرتد ہو گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (303)۔

☆ آلوسی، رازی، خازن وغیرہم نے یہ روایت بھی لکھی کہ یہود و نصاریٰ رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور لوگوں کو آپ کی بعثت کی خوشخبری سناتے تھے لیکن آپ جب تشریف فرما ہو گئے تو وہ حسد کی وجہ سے منکر ہو گئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (304)۔

چشمۂ حیوان سے شعوری واپسی

آیت کا عنوان رسول رحمت سے عرفان کے بعد مستی سے اعراض کرنا ہے۔ ایمان کے بعد کفر کا مطلب چشمۂ حیوان پر پہنچنے کے بعد پیاسا رہنے کی بے وقوفی ہے۔ حضور انور ﷺ کائنات کی روح ہیں جو ''من و تو'' کو نہیں جانتی۔ زمین پر وہ لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں جو دکھائی پھولوں کی طرح دیتے ہیں لیکن ان کے اندر خوشبو نہیں ہوتی۔ آسمان پر چھائے جن بادلوں میں پانی نہ ہو وہ دھواں ہوتا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن ان کی اصل میں فتنہ کا دھواں تھا پھر بھاگ گئے۔ کچھ تو واپسی کی قسمت پا گئے لیکن باقی آنجہانی ہی رہے۔ قرآن کا یہ حصہ ایک حیرت ہے جو قرآن پڑھنے والوں کے لیے ہدایت کے اصول واضح کر رہا ہے۔

آیت میں ''الرَّسُوْلَ'' سے مراد حضور ﷺ ہیں اور ''الْبَيِّنٰتُ'' سے مراد شواہد، حقائق اور سچی باتیں ہیں (305)۔

اسلوب میں ''اٰمَنُوْٓا'' کی قوت میں ہے (306) اور ''شَهِدُوْٓا'' سے مراد گواہی بھی ہے لیکن مشاہدہ کا معنیٰ زیادہ بلیغ اور ابلغ ہے۔ بارانِ رحمت کا نظارہ دیکھنے کے بعد بھی صحرائی ببولوں اور خارہائے مغیلاں کا عاشق بنا رہنا عجب ہے۔ آیت کا اختتام اس جملے پر ہوتا ہے ''ظالموں'' کو کوئی ہادی وبال اور عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ ظلم کا مطلب ہی ہدایت سے محرومی ہے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

''ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت پڑتی رہتی ہے، وہ ہمیشہ اس پھٹکار میں پڑے رہیں گے ان پر عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے''۔

تعبیر کے لحاظ سے پہلی آیت میں سزا کا بیان ہے۔ ان لوگوں کی سزا جو حق سے عدول کرتے ہیں۔

سچائیوں کو میزان عدل پر پورا پانے کے باوجود ان کے منکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سزا ابدی لعنت ہے جو ان پر برستی رہتی ہے۔ اللہ کی لعنت، تمام فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت۔ قرآن مجید نے منکرین کے لیے جو سزائیں متعین کی ہیں ان سزاؤں میں سب سے سخت، رسوا کن اور ذلت افروز سزا لعنت ہے جو اللہ کی طرف سے غیظ و غضب کا معنیٰ رکھتی ہے، دھتکارنے کا مفہوم دیتی ہے۔ لعنتیوں کے قابل نفرت ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ پروردگار جس وقت خود لعنت کرنے کا اعلان کرے تو مفہوم رحمت سے دور اور بالکل دور کرنے کا ہوتا ہے۔ لوگوں اور فرشتوں کی لعنت کا مطلب اظہار تنفر اور اعلان برأت ہوتا ہے۔ لوگوں میں معنوی لعنت کا مصداق ہر کافر اور منکر حق ہوتا ہے لیکن مثال اگر دیکھنی ہو تو یزید پلید کو دیکھ لیں۔ کتنا بُرا، پلید اور لعنتی شخص گزرا ہے۔ جس نے کعبے پر منجنیق میں پتھر رکھ کر برسائے اور عمارت منہدم کرنے کی ذلت کی۔ وہ لوگ کس قدر مسکین ہیں جو اسے بھی بابائے کردار و تقویٰ تسلیم کرتے ہیں۔ اگلی آیت منکرین حق کے بارے میں اعلان کرتی ہے کہ وہ ابدی طور پر لعنت کے مستحق ہیں۔ ان کے عذاب میں ہرگز تخفیف نہ ہوگی اور شیطان کی طرح ہر وقت لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ انہیں ڈھیل نہیں دی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

''ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح میں لگ گئے تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے''۔

آیت پچھلے مضامین سے مکمل مربوط ہے۔ وہ لوگ جو گناہوں کی دلدل میں پھنس گئے اور عذاب ان پر لاگو ہو گیا۔ ان کے معاملہ میں اس آیت میں استثناء کی صورت بیان ہوئی ہے کہ ایسے لوگ بھی اگر توبہ کر لیں اور اپنی غلط کاریوں کی تلافی کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور اور مہربان ہے۔

توبہ کا لغوی معنیٰ رجوع کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس لفظ کا فاعل اللہ ہو تو پھر عذاب سے رجوع ہوتا ہے اور اگر توبہ کرنے والا بندہ ہو تو پھر اس کا معنیٰ گناہوں، لغزشوں اور خطاؤں سے بازگشت ہوتی ہے۔

بزرگان دین نے توبہ کے لیے پانچ شروط بیان کی ہیں (307):

پہلی شرط: اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا ہونا ہے یعنی بندہ توبہ اللہ کی رضا کی خاطر کرے۔

دوسری شرط: دل میں گناہوں کے ارتکاب پر ندامت کا ہونا ہے۔

تیسری شرط: گناہوں سے فوری اور بغیر تاخیر کے دوری اختیار کرنا ہے

چوتھی شرط: یہ عزم کر لینا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کرنا۔

پانچویں شرط: توبہ کا وقت القبول میں ہونا ہے۔

آیت میں اگلا حکم اصلاح ہے۔ اصلاح صلاحیت سے ہے۔ گناہ بندے کی شخصیت میں انحطاط اور زوال اور ذلت پیدا کرتے ہیں۔ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ترک گناہ سے صلاحیتوں کی بحالی اور بحیثیت مومن خود کو روبہ ترقی کر لینا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں''۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں اس آیت میں کفر کرنے والے لوگوں سے مراد وہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت، عبدیت اور معجزات سے انکار کر دیا۔ ''ایمان کے بعد'' جملہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان

لانے کے بعد ہے اور کفر میں بہت زیادہ آگے نکل جانے سے مراد حضرت محمد ﷺ کی نبوت، اوصاف، کمالات اور فضیلتوں کا منکر ہو جانا ہے۔ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ یہ لوگ مرتد ہو کر آخری سرحد سے بھی گزر گئے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ مکمل طور پر گمراہ لوگ ہیں (308)۔

قرآن مجید کی اس آیت سے آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ توبہ، اصلاح اور بہتری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جس وقت مایوسیاں اور نا اُمیدیاں، قنوطیت اور ذلت انسان کو مکمل گھیر لے تو پھر انسان اپنے ساتھ خود دھوکے اور مخادعت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسا چھچھورا شخص ظاہر میں کچھ اور ہوتا ہے اور اندر سے کچھ اور ہوتا ہے۔ قسمت کے تازیانے کھانے والا یہ مرتد اپنے لیے خود رحمت کی ساری ندیاں بند کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے زندگی بے رحمی کا جنگل بن جاتی ہے جہاں سب کچھ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر اس جنگل میں تعمیر کا کوئی نقش و نشان نہیں رہتا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِہِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَہَبًا وَّ لَوِ افۡتَدٰی بِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَّ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۹۱﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو بھی اُن سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، ان کے لیے درد دینے والی سزا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار بھی نہیں"۔

اس آیت میں چار چیزیں قابل توجہ ہیں:

☆ پہلی یہ کہ کفر کا بھوت جن لوگوں سے چمٹ جائے وہ انکار کی ظلمت اور بدمعاشی کی ضد میں رہ کر ہدایت کا ہر روزن اور دریچہ اپنے لیے بند کر دیتے ہیں جیسے بخار میں مبتلا شخص کے لیے ہر چیز ذائقہ کھو دیتی ہے۔ کفر کے مرض میں مبتلا لوگ ایمان و عمل کی ہر روشنی اور ذائقے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

☆ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں تکبر اور رعونت جن لوگوں کو تباہ کر دیتی ہے، ان کا انداز فکر یہ ہوتا ہے کہ دولت اور پیسہ ہر مسئلے کا حل ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کی ایک قیمت ہوتی ہے جس پر اُسے خریدا جا سکتا ہے۔ اہل کتاب بھی سوچتے تھے کہ ہم فدیہ دے کر جان چھڑا لیں گے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ زمین کا ظرف بنا لیں اور اُسے سونے سے بھر دیں پھر فدیہ دینا چاہیں تو اُن سے قبول نہ ہوگا۔

☆ تیسری چیز یہ ہے کہ وہ لوگ جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی قیمت پر عذاب میں تخفیف کی لذت نہیں پا سکتے۔

☆ اور چوتھی چیز اس آیت میں یہ واضح اعلان ہے کہ الٹی کھوپڑی کے ان بدقسمت انسانوں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ کفر اور شرک کے اگر ہزار کان بھی ہوں تو یہ آواز سن لیں ان کا کوئی مددگار نہیں اور اگر وہ ہزار آنکھیں بھی رکھتے ہیں تو دیکھ لیں ذلت اور بربادی کی ہر آتش بھری کھائی کافروں، منکروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔ نور اور امن تو ہدایت قبول کرنے والوں کے لیے ہے۔

الحمدللہ!

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آج تین رمضان المبارک کی نورانی شام ہے۔ فضا میں جیسے کسی نے شفاف موتی بکھیر دیے ہوں۔ روزہ ابھی افطار نہیں ہوا لیکن تنہائیوں میں آنکھوں سے اشکوں کے بے تاب قطرے اوراق پر بی بی پاک کی یادوں میں قرآنی الفاظ کی خوشبو بنے پڑے ہیں۔ تیسرے پارے کی تفسیر کتنے مقدس دن اختتام پذیر ہوئی ہے۔ میری لائبریری میں لطیف مہک بسی ہوئی ہے۔ ایک نادیدہ روح، روح ہی کی شفاف ندی میں منعکس محسوس ہو رہی ہے۔ قرآن اور بی بی پاک، تین رمضان اور بی بی پاک، آیت مباہلہ اور بی بی پاک، ابوتراب کا گھر اور بی بی پاک، فضل نور اور بی بی پاک، مرغزار پیار اور بی بی پاک، اللہ تیرا شکر ہے کہ تفسیر بھی دی اور بی بی پاک کی نسبت بھی دی اور تین رمضان کا نور بھی عطا کیا۔ ایسے محسوس ہوا جیسے بی بی پاک نے آواز دی اُٹھو! بصارتوں کو روشنی دو، زبانوں کو لہجہ دو، دلوں کو ایمان کی حرارت دو اور بدنوں کو روبہ اطاعت کرو، آنکھوں کو لطیف آنسوؤں سے غسل دو، قرآن جدھر ہوگا میں ادھر ہی ہوں گی، میرے بابا نے ہمیں قرآن سے جوڑ دیا ہے۔ اس سے کبھی بھی جدا نہ ہونا، وقت ملے تو میرے حسن اور میرے حسین پر سلام بھیج دینا۔ ہم تو اُمت کے لیے دعا کرتے ہی رہتے ہیں۔ بابا ہمیشہ کہتے:

رب اغفر اُمتی

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

"ہرگز تم نیکی نہیں پا سکو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اُس سے جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو بھی تم کوئی چیز خرچ کرتے ہو تو اللہ اُسے خوب جاننے والا ہوتا ہے"۔

قرآن مجید کا تیسرا پارہ جس مضمون اور اظہار کے ساتھ ختم ہوا وہ یہ تھا کہ منکرین اگر زمین برابر بھی سونا فدیہ میں خرچ کر دیں تو بھی ان کی طرف سے قبول نہ ہوگا۔ خرچ کرنا اگرچہ اچھی چیز ہے لیکن شراب طہور کو پیشاب کا ایک قطرہ بھی گندہ کر دیتا ہے۔ مشرکین اور منکرین اپنے کفر کی وجہ سے گندے لوگ ہیں، اس لیے ان کا اعتقادی اور وجودی گند انفاق کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ یہاں چوتھا پارہ شروع ہوا تو مؤمنوں کو تسلی دی گئی کہ کہیں وہ نہ سمجھ لیں کہ انفاق فی سبیل اللہ انہیں کام نہ آئے گا۔ مال جب اللہ کے لیے خرچ ہو تو وہ بہترین وسیلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ لوگ نیکی کے حصول میں آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ سلسلہ کلام مسلسل اہل کتاب کی تاریخ سے مربوط چلا آ رہا ہے اور وہ لوگ خود کو اللہ کا لاڈلا، برگزیدہ اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھتے تھے جبکہ ان کی اصل میں حرص، بخل، دولت پرستی اور مال اندوزی کا نشہ شامل ہو گیا تھا وہ مال عیاشیوں میں لگا سکتے تھے لیکن دین کی راہ میں وہ پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے، ان کے منفی کردار کو سامنے لا کر قرآن مجید کی اس آیت نے مؤمنوں کی کردار سازی کی کہ مؤمن کو مال سے محبت بھی ہو تو وہ مال کو

رکاوٹ نہیں بننے دیتا ہے خرچ کر دیتا ہے اور باقی رہ گئے خواص تو وہ اللہ کی محبت کو ہر چیز پر فائق جانتے ہیں، جب دل میں اللہ کی محبت موج مار رہی ہو تو پھر محامد، فضیلتیں اور مراعات تقوٰی خود قدم چومتی ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فہم آیت

مروی ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرا محبوب ترین مال بیرحا کا باغ ہے۔ سرکار میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ حضور اب آپ کی مرضی اسے جہاں چاہیں اللہ کی راہ میں لگا دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: واہ واہ!! یہ بہترین مال ہے، نفع بخش مال ہے۔ اے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری رائے یہ ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں پر خرچ کر دیں چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اقارب میں تقسیم کر دیا (309)۔

مظاہر محبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جب بھی کوئی قیمتی مال یا چیز پہنچتی آپ یہ آیت پڑھتے اور پھر مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے (310)۔

حضرت نجم الدین کبریٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کے جتنے بنو گے اللہ بھی اتنا ہی تمہارا بنے گا۔ حدیث قدسی ہے: ''جو اللہ کے لیے ہوگا اللہ اسی کا ہو جائے گا''۔ دیکھیے پروانے کو روشنی سے عشق ہے وہ خود کو اس پر نثار کر دیتا ہے جب تک بندگی میں عشق سوزاں کا مقام نہ ملے نیکی اور بر کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی (311)۔

امام قشیری فرماتے ہیں: جو شخص نیکی کا طالب ہے وہ بعض مال خرچ کر دے اور جو نیکی والے کا طالب ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام مال محبوب کے نام پر لٹا دے (312)۔

بابرکت لمحات کی انوکھی تصویر

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ آنکھ انسان کی عقل کا چشمہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال اور دنیا کے معاملہ میں کیسا رویہ رکھتے تھے؟ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آدھا مال خدمت اقدس میں پیش فرما دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا مال نور کی دہلیز پر لا چھوڑا۔ رحمت عالمیاں ﷺ نے پوچھا ابوبکر گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ آپ نے عرض کی: گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں (313)۔

ایجاز بھری آیت کا مشکل حکم

مال، دنیا اور زر لوگوں پر دام فریب ڈالتے رہتے ہیں۔ وہی شخص دنیا کے مکائد سے بچ سکتا ہے جو دنیا سے غیر معمولی بے نیازی کا پیکر ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجا طور پر دنیا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا:

اے دنیا!

میرے علاوہ کسی اور پر دام فریب ڈال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرے قابو میں آنے والا نہیں۔

یہ بے نیازی قضا و قدر کی زبان ہے اور زندگی کا عنوان ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت جو زیرِ تفسیر ہے تربیت کا عرش معلّٰی ہے۔ بہت بڑی تربیت ہے کہ جو چیزیں تمہیں سب سے زیادہ پسند ہیں اللہ کی راہ میں وہی خرچ کر دو۔ آیت دیکھنے میں ایک ہی ہے لیکن عظیم حقائق اور بے شمار ہدایات اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ یہ جملہ ایک معرکہ ہے جو پوری سورت میں بپا دکھائی دیتا ہے۔ اُمت مسلمہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ بلاشبہ اسی اسلحہ سے کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۳

''کھانے تو تمام ہی اولادِ یعقوب کے لیے حلال تھے سوائے ان کے جو یعقوب نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر خود حرام کر لیے تھے، آپ فرما دیں تورات لاؤ تو سہی پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو''۔

قرآن مجید کی یہ آیت سمجھنے کے لیے پہلا مقدمہ یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ یہودی قوم شروع ہی سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ یہودیوں کی وہ تعلیمات جو تحریف شدہ ہیں، کے مطابق یہودی یہ اعتراض اٹھاتے رہتے ہیں کہ اسلام نے کھانے پینے کی بہت سے ایسی چیزوں کو حلال قرار دے دیا ہے جو سابقہ انبیاء کے ادوار میں حرام تھیں، مثلاً وہ اونٹ کا گوشت حرام سمجھتے تھے لیکن اسلام اسے حلال قرار دیتا ہے۔ اس صورت حال میں اسلام کے بارے میں کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ اس میں دین ابراہیم ہی کی پیروی کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت ان اعتراضات کا جواب دیتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی ساری چیزیں حلال تھیں سوائے ان بعض چیزوں کے جو یعقوب علیہ السلام نے بعض طبی ضروریات کے تحت کھانی ترک کر دی تھیں۔ بعد میں ان کے پیروکاروں نے اسے بھی دین کا حصہ بنا لیا۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ تم تورات ہی کو پڑھ لو تورات اس امر کی تائید کرے گی کہ یہ سب چیزیں اصالۃً حلال تھیں۔

تورات باب پیدائش 3:9 میں اب بھی پڑھا جا سکتا ہے (314):

''وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لیے ہیں میں نے یہ سب نباتات کی مانند تمہیں دیے ہیں''۔

آیت کی تفسیر میں علامہ نسفی نے یہی لکھا (315):

''مطعومات میں کل سے مراد وہ تمام کھانے کی چیزیں ہیں جن کے حلال اور حرام ہونے میں نزاع تھا''۔

بیضاوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النسا کی بیماری تھی اس لیے آپ اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے تھے اور ظاہر ہے اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہ تھا (316)۔

ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں (317):

''آیت میں ان لوگوں کے قول پر جو ممانعت کا قول کرتے ہیں بعض حلال چیزوں کے بارے میں بطلان ہے''۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی صوفیہ کی تردید جصاص کے قول کی بنیاد پر خواہ مخواہ ٹانک دی (318)۔

کسی چیز کا طبی طور پر کسی شخص کے لیے مفید ہونا یا مضر ہونا آج بھی ممکن ہے۔

مقتضائے طبیعت کے موافق استعمال یا عدم استعمال آیت اس کو نہیں چھیڑتی۔قابل گرفت امر تو یہ ہے کہ طبیعتوں اور نسخوں اور عملیات کو دین نہیں بنا لینا چاہیے۔آیت کا زور اس پر ہے جو دین میں ہے اسے نکالا نہ جائے اور جو دین میں نہیں ہے اسے داخل نہ کیا جائے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

''پھر اس کے بعد بھی جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں فہم کے نکتہ نظر سے اہمیت ''مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ'' کی ہے۔علامہ بیضاوی نے لکھا کہ اس سے مراد ان شہادتوں کے بعد بھی ہے(319) یعنی اتنی صریح شہادتیں ،اتنے واضح حقائق ،اتنے مضبوط دلائل اور اتنے محکم براہین ان کی نظر سے گزرے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے جھوٹ پر قائم ہیں اور کہے جا رہے ہیں کہ فلاں فلاں چیزیں اللہ کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ان کی فتنہ پروریاں ،فسوں کاریاں اور بہتان طرازیاں یہ نہ سمجھا جائے کہ ہلکا قسم کا جرم ہے حقیقتہً یہ لوگ ظالم ہیں۔کسی کو تیز دھار آلے کی چوٹ مارنا اتنا بڑا ظلم نہیں جتنا بڑا ظلم ان کی اقدار کُشی ہے۔یہ لوگ صداقت اور سچائی کو ذبح کر دینا غلطی ہی نہیں سمجھتے خصوصاً اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا اور افترے گھڑنا ان کو لے ڈوبا ہے انہوں نے خود اپنے آپ کو اندھیروں اور ظلمتوں میں جا پٹخا ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

''آپ فرمایئے !اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیمی دین کے پیروکار بن جاؤ جو ہر باطل سے جُدا ہے اور آپ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔

آیت کا اسلوب فردوسی لذتوں کو قالبِ قرآن میں سموئے ہوئے ہے۔رنگوں اور کیفیتوں کی ایک بہار ہے ،جو روحوں کو مشکبار بنا دیتی ہے۔بولتے حضور ہیں ،رنگ الوہی نظر آتا ہے۔رب خود ہی فرماتا ہے محبوب آپ فرما دو:'' اللہ کی بات سچی ہے''۔مفہوم خود جملے کے سینے سے ابھرتا ہے کہ یہودی جھوٹے ہیں ،فتنہ پرداز ہیں ،فسوں کار ہیں ،جو باتیں وہ حلال وحرام کی پیغمبروں کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ سوائے دجل وفریب کے اور کچھ نہیں۔خازن نے صحیح لکھا کہ آیت میں تعریضاً یعنی اشارۃً یہود کے جھوٹ کو ذکر کر دیا گیا ہے۔تفسیری معنیٰ یہ بنتا ہے کہ بے شک اللہ اپنے کلام اور خبر میں صادق ہے اور اے یہود تم لوگ جھوٹے ہو(320)۔

آیت میں واضح راستے کی نشاندہی

قرآن مجید کی آیت مشام طلب کو ہدایت کی خوشبو سے معطر کرنے کے لیے حکم نقل کرتی ہے کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو اس طرح کہ محسوس ہو کہ تم نے ہر باطل سے جدائی اختیار کر لی ہے۔آیت میں ملت ابراہیم سے مراد دین اسلام ہے وہ دین جس کی طرف حضرت محمد ﷺ بلاتے ہیں۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں(321):

''دین ابراہیم سے مراد دین اسلام ہے جس کی طرف حضرت محمد ﷺ بلا رہے ہیں۔وہ شخص جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لایا اس نے یہودیت سے چھٹکارا حاصل کر لیا،اس لیے کہ یہود نے لوگوں کو دین و دنیا کے فساد کی دلدل میں پھنسا دیا ہے اور اللہ کی کتابوں میں تحریف کو ایسا عام کر دیا ہے جیسے لوگ اضطرار میں پڑے ہوئے ہوں''۔

علامہ اسماعیل حقی نے دین حنیف کی خصلتیں احسن انداز میں قلم بند کی ہیں(322):

☆ دین ابراہیم میں مہمانوں پر مال خرچ کرنا تھا۔
☆ امتحان کے وقت جان کا نذرانہ پیش کر دینا تھا۔
☆ قربانی کو تسلیم کر کے زندگی میں جاری کر دینا تھا۔
☆ شرک سے بیزاری تھی۔
☆ ہر باطل سے دور اور جدا رہنا تھا۔
☆ صدق کی ہر حالت میں حفاظت تھی۔
☆ ابراہیم علیہ السلام دین کے اصول وفروع کسی چیز میں بھی مشرکوں کے ساتھ شامل نہیں تھے۔
☆ شریعت اسلام کی بنیاد اسی حنفیّت پر تھی۔
☆ کسی بھی دین میں اعتقاد کے بعد عملیت اور روحانیت ہی اس کی فضیلت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

واللہ اعلم

حوالہ جات

(302) درمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً آلوسی ایضاً
(303) کمالین حاشیہ جلالین بحوالہ سیوطی
(304) تفسیر کبیر: رازی ایضاً خازن ایضاً آلوسی ایضاً خزائن ایضاً تفسیر نعیمی
(305) تفسیر ابن عاشور: ابن عاشور ایضاً آلوسی ایضاً وھبہ زحیلی ایضاً۔۔۔۔۔۔
(306) روح البیان: اسماعیل حقی
(307) الکنز الثمین: محمد بن صالح العثیمین (308) روح البیان: اسماعیل حقی
(309) الجامع الصحیح للبخاری حدیث نمبر 2658 ومسلم: 998
(310) الکنز الثمین: محمد بن صالح (311) روح البیان: اسماعیل حقی
(312) تفسیرات قشیری: امام قشیری ایضاً رسالہ قشریہ ایضاً روح البیان
(313) سنن ابی داؤد حدیث نمبر 1678 ایضاً جامع ترمذی حدیث نمبر 3675
(314) کتاب پیدائش: 3:9 (315) تفسیر مدارک التنزیل: نسفی
(316) انوار التنزیل: بیضاوی (317) احکام القرآن: جصاص رازی
(318) تفسیری ماجدی: عبدالماجد دریا آبادی
(319) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً کشاف
(320) تفسیر خازن: علامہ خازن (321) مدارک التنزیل: نسفی
(322) روح البیان: اسماعیل حقی

حُرمت مدینہ

حافظ سخی احمد

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا المَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! مدینہ طیبہ کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں ڈال دے جس طرح مکہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مُد میں برکت وفراوانی عطا فرما اور مدینہ کی آب وہوا ہمارے لیے صحت افزا فرمادے''۔

آقا کریم ﷺ کی یہ دُعا اس موقع پر ہے جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضرت سیدنا ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے اور وطن کی یاد ستانے لگی تو جانِ عالمین ﷺ نے اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں یہ استغاثہ پیش کیا۔

محبوب ربّ العالمین ﷺ کی قبولیتِ دُعا کا عالم یہ ہے کہ ہر مسلمان کا دل یادِ مدینہ میں تڑپتا ہے۔ عشاقانِ رسالت کے دلوں کا گلستان مدینہ پاک کا ذکر سُن کر مہک اُٹھتا ہے۔

یہ وہ بارگاہ ہے جہاں چہرے کو رونق اور قلب وجان کو تسکین ملتی ہے۔۔۔۔۔

اس دہلیزِ کرم پر آنسو محبت واحترام کے انداز سیکھتے ہیں۔۔۔۔۔

اس بابِ رحمت پر دھڑکنیں شکر وسپاس کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔۔۔۔۔

اس آسمانِ عطا پر قدم رک جاتے ہیں، سر جھک جاتے ہیں۔۔۔۔۔

اس آستانِ نور سے تاریک دل روشن ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

اس درِ شفاعت پر زبانیں ندامتِ گناہ سے گنگ، زندگی پشیمان، اعمال نادم اور خطائیں شرمندہ ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔

تقدیر بدل جاتی ہے، مقدر جاگ جاتے ہیں۔۔۔۔۔

التجائیں آنسوؤں کا روپ دھار لیتی ہیں۔۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو اسی طرح سے حرم قرار دیا جیسے مکۃ المکرمہ کو حرم سمجھا جاتا ہے بلکہ حضور نبی کریم ﷺ نے تو یہاں تک اللہ کی بارگاہ میں التجا فرمائی کہ اے ربّ! مکہ تو تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا۔ اس شہر مدینہ کو میں تیرا محبوب حرم بنا رہا ہوں اور مدینہ میں مکہ سے بھی دوگنی برکت عطا فرما۔

اندازاً بارہ میل تک مدینہ منورہ کی حد حرم ہے، جس کے اندر شکار کرنا، درخت اکھاڑنا، گھاس اکھاڑنا حرام ہے۔ ہاں جانوروں کے لیے گھاس یا پتے وغیرہ توڑنے جائز ہیں۔ نیز یہ شہر امن ہے کہ محبوب ربّ العالمین ﷺ نے اسے "حرم امن" قرار دیا۔

یہ ادب وتقدس کا قبلہ ہے، یہ شہرِ محبت امن وسلامتی کا مرکز ہے۔۔۔۔۔

یہاں مہر ووفا پانی بھرتے ہیں، آسمان سر جھکاتے ہیں۔۔۔۔

انوار وتجلیات کی بارش ہوتی۔۔۔۔۔

یہاں اہل تخت وتاج اور فاتحین عالم کے سر بھی خم نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔

نگاہیں گنبد خضرا کی طرف جاتی ہیں تو واپس نہیں آتیں وہیں قربان ہو جاتی ہیں

یہاں ایک لمحہ صدیوں کی عبادت پر بھاری ہوتا ہے۔۔۔۔۔

یہاں پہنچ کر ارباب خرد سرگشتہ وحیران ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

شوق محبت آتشیں ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔

بصارت بصیرت ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔

جذبے نثار، جسم سراپا نیاز اور دھڑکنیں بے اختیار ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔

یہ ایسی بارگاہ ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح شام نازل ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں۔ جہاں ایک نماز پچاس ہزار رکعت کا ثواب رکھتی ہے اور ایک نیکی پچاس ہزار نیکی کے برابر ہے۔ جہاں سو میں سے نوے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جہاں حاضر ہونے سے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ صرف یہیں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جہاں کا روضہ مبارک عرش اعلیٰ سے بھی افضل ہے۔ جہاں فوت ہونے والا حضور ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے۔

مدینۃ الرسول کی جغرافیائی صورتحال

یہ شہر مکۃ المکرمہ سے جانب شمال دوسو ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مدینہ منورہ یا مدینۃ الرسول جسے طیبہ بھی کہتے ہیں، سطح سمندر سے تقریباً 619 میٹر بلند ہے اور وہ مشرق کی جانب 39 درجہ 55 دقیقہ کے طول پر اور شمال کو خط استوا سے 24 درجہ اور 15 دقیقہ کے عرض پر واقع ہے، موسم گرما میں اس کی حرارت 28 درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور سرما میں دن کو صفر کے اوپر دس درجہ تک اور رات کو صفر کے نیچے 5 درجہ تک آتی ہے، سردی کے ایام میں صبح کے وقت اکثر پانی برتنوں میں جم جاتا ہے۔ اور ملک عرب کے صوبہ حجاز میں بلحاظ آبادی دوسرے نمبر پر ہے۔ مکہ المکرمہ کے بعد دنیائے اسلام کا سب سے پیارا بابرکت مقدس شہر ہے، جہاں اللہ کے آخری رسول حضرت سید الانبیاء سند الاتقیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ آرام فرما ہیں۔

وجہ تسمیہ

ہجرت سے پہلے یہ شہر یثرب کے نام سے موسوم تھا، قرآن مجید میں یہ نام بھی آیا

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا گناہ وخطا ہے کیونکہ منافق اس شہرِ محبت کو یثرب کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مدینہ ہے

ہے: و اذقالت طائفۃ منھم یاھل یثرب لا مقام لکم (الاحزاب: 13)

بقول زجاج یہ شہر یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا آباد کیا ہوا ہے اس لیے یثرب کے نام سے موسوم ہوا۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اس کو یثرب اس لیے کہتے ہیں کہ ایک شخص یثرب نامی عمالقی نے اس شہر کو بسایا تھا، آخر میں یہودیوں بنونضیر و بنوقریظہ و بنوقینقاع کے ہاتھ آ گیا۔

300ء میں بنوازد کے دو قبائل اوس وخزرج نے اس کی سرحد میں سکونت اختیار کی اور 492ء میں اس پر قابض ہو گئے۔ مدینہ سے شمال ومشرق میں اب بھی ایک بستی ہے جس کا نام یثرب ہے۔ عجب نہیں کہ پہلی آبادی اسی جگہ ہو اور اوس وخزرج نے یہود سے جدا رہنا پسند کر کے یہاں رہائش اختیار کی ہو اور اس لیے اس حصہ کو بھی یثرب ہی سے پکارا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ یثرب مصری کلمہ اتربیس سے بگڑ کر بنا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ عمالقہ نے مصر سے نکلنے کے بعد مدینہ کو بسایا۔ اس سے یہودیت کے اس قول سے بھی تائید ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فلسطین جاتے ہوئے ایک جماعت کو بھیجا تا کہ وہ اس جانب کے حالات معلوم کرے جب وہ لوگ اس طرف پہنچے اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی خبر ملی تو انہوں نے شہر اتربیس بنا کر اس میں اقامت اختیار کی، اس قول کی بنا پر مدینہ کی آبادی سولہ سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔

یثرب مدینہ کیسے بنا اور یہاں اسلام کیسے پہنچا؟

مدینہ منورہ میں بسنے والے قبائل بیشتر یہودی المذہب تھے یا یہودیت سے متاثر تھے مگر کبر وحمیت کی بنا پر ان میں باہم اتنے نزاع تھے کہ گویا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اوس وخزرج کی خانہ جنگی کو ایک صدی کا زمانہ گزر چکا تھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت وتبلیغ کا چرچا مکہ ونواح میں پھیلا، اسی دوران میں خاندان عبدالاشہل کے چند آدمی قریش کو اپنا حلیف بنانے کی غرض سے مکہ آئے اور اسلام کا چرچا سنا، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہائی میں ان کو اسلام کی پاک تعلیم سے آگاہ کیا اور قرآن پاک کی چند آیات سنائیں۔ ان میں ایاس بن معاذ پر اس تلقین کا بہت اثر ہوا اور مسلمان ہونے کا ارادہ کیا مگر امیر وفد انس بن رافع نے کہا کہ جلدی نہ کرو ابھی حالات کا مطالعہ کرو، چنانچہ یہ لوگ یونہی واپس ہو گئے۔

10 نبوی میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی موسم حج میں آئے تو عقبہ گھاٹی میں شب کے وقت خاتم النبیین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ملے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، چنانچہ یہ حضرات مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اس بیعت کا نام عقبہ اولیٰ ہوا۔ ان کے ذریعہ سے مدینہ میں اسلام کا چرچا پھیلا۔

دوسرے سال بارہ سربرآوردہ اصحاب آئے اور اسی عقبیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا وقت معین کر لیا۔ چنانچہ خوب کھل کر باتیں ہوئیں اور انہوں نے یہ اطمینان کر کے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، اسلام قبول کر لیا۔ معلم انسانیت آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مبلغ اسلام بنا کر ان کے ہمراہ کر دیا اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ اب دار بنی ظفر میں اسلامی مشن کا دفتر قائم کر دیا گیا۔ جو حضرات اسلام لا چکے تھے وہ مذہبی تعلیم پاتے اور جو نئے آتے ان کو وعظ سنایا جاتا تھا۔ اس مخلصانہ پرچار کے بہترین نتائج نکلے اور رفتہ رفتہ یثرب کے نامور قبیلہ عبدالاشہل کا ہر مرد وزن حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اب یثرب میں ایک کثیر جماعت اسلام کی نصرت اور سید الانبیاء والمرسلین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کے لیے تیار ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے آئے۔ اس وقت سے یثرب کو مدینۃ الرسول بننے کا شرف حاصل ہوا۔

امام نووی علیہ الرحمہ کے نزدیک مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا گناہ وخطا ہے کیونکہ منافق اس شہرِ محبت کو یثرب کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مدینہ ہے۔ اگر اب کوئی شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ لِلْمَدِیْنَةِ یَثْرِبَ فَکَفَّارَتُهُ اَنْ یَقُوْلَ الْمَدِیْنَةَ عَشَرَ مَرَّاتٍ

"یعنی جو شخص مدینہ مُبارک کو یثرب کہہ بیٹھے اسے کفارے کے طور پر دس (10) مرتبہ مدینہ کہنا چاہیے"۔ (کنز العمال)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر سے واپس مدینہ شریف لوٹتے تو مکانات مدینہ کی دیواروں کو دیکھ کر مگن ہو جاتے اور سواری کو تیز کر دیتے۔ (بخاری)

مدینہ شریف کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ اس پاک شہر میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔ مدینۃ الرسول کا چپہ چپہ مسلمانان عالم کے لیے باعث صد احترام ہے۔ اس مقدس شہر میں وہ مبارک مسجد ہے جس میں جلوہ افروز ہو کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے نور کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس مبارک شہر میں وہ مقدس جگہ ہے جہاں سرتاج الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔ ایسی مقدس سرزمین کی حرمت کو پامال کرنا اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کی سنگینی کو الفاظ میں بیان کیا جانا ممکن نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کے تقدس کو پامال کرنے والے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے۔ حدیث شریف کے مطابق جو کوئی مدینہ منورہ کے ساتھ سازش کرتا ہے وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ غلام فخر الدین سیالوی آداب مدینہ طیبہ یوں بیان کرتے ہیں:

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

مدینہ منورہ کے تقدس کو پامال کرنے والے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے

حاجی محمد نثار احمد

ایک عظیم استاد جو مٹی کے قلم سے لکھتا تھا

مدینۃ النور کے ایک روشن دن میں رحمت اللعلمین ﷺ کے گنبد خضریٰ کے سائے تلے 15۔مئی میرے لیے یادگار رہے گا۔ میرے کچھ پیارے لوگ تاریخ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے اور میرا ایک سادہ دل، خدامست اور ناموری کے ذوق سے یکسر بے نیاز خلیفہ حاجی محمد نثار اللہ کی رضا پا کر مٹی کے گھر میں ابدالآباد تک سکونت گزیں ہو رہا تھا۔ حاجی محمد نثار محکمہ تعلیم سے وابستہ ایک نامور استاذ تھے۔ یہ بات جاننے والے جانتے ہیں کہ جہلم کی تاریخ سے وابستہ درجنوں سیاسی زعماء، سینکڑوں اعلیٰ فوجی افسر، جج صاحبان اور ہزاروں طالبین حاجی صاحب سے تلمذ رکھتے تھے لیکن حاجی صاحب شہرت وعظمت کے تصور سے آزاد تھے۔ ہر وقت آپ ذکر کی کیفیات میں ڈوبے سرشار رہتے تھے۔ تقریباً اٹھارہ سال پہلے ممتاز قریشی کے وسیلہ سے حاجی صاحب میرے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ نئے دور کا ایک پرانا انسان مٹی کے قلم سے تاریخِ حق لکھنے والا نقشبندی مؤرخ، صوفی اور عاشق رسول تھا۔ فطرت نے ان کے ضمیر میں مولائی ہونے کی عظمتیں رکھی تھیں۔ آپ ہر سوموار محفلِ ذکر میں خیابان تشریف لاتے۔ اپنے مرشد سے فیض کی خیرات لیتے۔ حاجی صاحب اپنے محدود دائرے میں مقید رہ کر بھی وسیع لاہوتی جہاں رکھتے تھے۔ ایک بار خواہش کا اظہار کیا میری کفنی پر انگلی سے شہادت لکھ دیں۔ میں نے عرض کی حاجی صاحب میں نے کفنی نہیں ہزاروں عاشقوں کے کفن لکھ کر انہیں ''اشہاد'' کی تاریخ تھما دی ہے۔ بلاشبہ آپ اس چھوٹی دنیا کے بڑے انسان ہیں۔ حاجی صاحب ہر جائی ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ یکسوئی اور یکجائی ہونا ان کا اعزاز تھا۔ انہوں نے گہوارۂ مادر سے فضیلتوں کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ مدینہ شریف میں پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی کے ایک ڈاکٹر مرید ملے، جو شاہ جی کے عشق میں رقصِ بسمل بننے کے لیے تیار پائے۔ آپ نے عبدالرزاق ساجد کی معیت میں اظہار عزم کیا کہ ہم بابِ غوثیت سے ایک لمحہ کے لیے بھی پیچھے ہٹنا پسند نہیں کرتے، چونکہ یہ محفل حاجی نثار صاحب کی ایصال ثواب کے لیے تھی تو مجھے انہی کی ایک ادا یاد آئی کہ آپ نے آخری ملاقات میں مجھ سے چادر مانگی جو چادر میں نے بقشیش کی وہی کفن کے ساتھ سر پر باندھ کر وہ قبر میں اتر گئے۔ حاجی صاحب کہا کرتے تھے لوگ برسوں رفاقتوں کی تاریخ رکھنے کے باوجود مزاج نہیں بدل سکتے۔ اصل پیری مریدی بڑوں کی اطاعت میں نفس اور مزاج کی تسخیر ہے۔ نثار صاحب بھلے آدمی تھے اللہ ان کی مغفرت کرے، جو سیکھا اس پر عمل کیا یہی ان کی کرامت تھی۔ ان کی پہلی صف جنازہ میں علامہ محمد بشیر القادری، پروفیسر محمد بہاؤالدین اشرفی، علامہ رضوان احمد انجم، علامہ فدا حسین الحسینی اور علامہ عدنان علوی کو موجود پا کر روحانی سکون پایا۔ سید فیصل ریاض نے تو اپنے والد کا فرض پورا کیا۔ پندرہ مئی نے احساس گہرا کر دیا کہ ساتھی حاجی نثار ایسے ہونے چاہییں۔ اللہ ہم سب کو معاف کر دے۔

سید ریاض حسین شاہ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

تصوف درحقیقت اصلاح نفس کا نام ہے یعنی اخلاق رذیلہ دور ہوجائیں، اخلاق حمیدہ پیدا ہوجائیں، شریعت وسنت پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔ اس مقصد کے لیے اصلاح نفس کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اسے تصوف کہتے ہیں، اس لیے بعض علماء نے تصوف کی تعریف تعمیر الظاہر والباطن سے کی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ یا طریقتِ نقشبندیہ تصوف اور روحانیت کے مشہور سلاسل میں سے ہے، اس سلسلے کے پیروکار نقشبندی کہلاتے ہیں۔ مشائخ طریقت کا معروف سلسلہ ہے، سلسلہ نقشبندیہ میں شریعت کی پابندی اور اتباع سنت پر کافی زور دیا گیا ہے۔ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے شریعت کی پابندی ناگزیر سمجھی جاتی ہے۔ تقویٰ کے ساتھ احتیاط کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ حضرات نقشبندیہ عزیمت پر عمل کو حتی المقدور ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور رخصت پر عمل تجویز نہیں کرتے۔ احوال ومواجید کو احکام شریعہ کے تابع رکھتے ہیں۔ حضرت لالہ جی نے سلسلہ نقشبندیہ کے خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ لوگ بے کار رہنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ رزق حلال کما کر یاد الٰہی میں کھو جانا ان کی اصل زندگی کی ریاضت ہے ان کا وظیفہ ''ہتھ کار دل دل یار دل'' ہے۔

سلسلۂ صدیقیہ سے نقشبندیہ تک

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت شیخ طیفور ابن عیسیٰ ابو یزید بسطامی تک اس سلسلہ کو سلسلۂ صدیقیہ کہا جاتا تھا۔

پھر یہ سلسلہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر خواجہ خواجگان شیخ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلہ طیفوریہ کہلایا جانے لگا۔

پھر حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر امام طریقت شیخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تک یہ سلسلہ خواجگانیہ کہلایا گیا۔

اور اس کے بعد شیخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر تا حال یہ سلسلہ نقشبندیہ کہلایا جا رہا ہے۔

فضیلت سلسلہ نقشبندیہ

اول: اس سلسلہ کے سالار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کی ابتدا میں ذکر قلبی ہے۔ اس سلسلہ میں جذب ربانی ہے جبکہ ذکر زبانی میں سلوک ہے۔ جذب اور سلوک دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ سلوک میں بندہ ذکر اذکار اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ جذب میں جو کہ ذکر قلبی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، خدا خود بندہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک پر جذبہ کی تقدیم کا الہام ہوا تھا۔ مشائخ نقشبندیہ اسی پر عامل ہیں, جب کہ دوسرے بعض صوفیاء سلوک کو جذب پر مقدم کرتے ہیں... اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصول کی دہلیز ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، جو خواجہ احرار کے جلیل القدر مرید تھے، فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلۂ سالار اند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

حضرات نقشبند عجب قافلہ کے سالار ہیں کہ اپنے متعلقین کو پوشیدہ طریقہ سے بارگاہ الٰہی تک لے جاتے ہیں۔

از دلِ سالک رہِ جاذبہ صحبتشاں
می برد وسوسہ خلوت و فکر چلہ را

ان کی صحبت کی کشش سالک کے دل سے خلوت کے خیال اور چلہ کشی کے فکر کو ختم کر دیتی ہے۔

دوم: سلسلہ نقشبندیہ کی فضلیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کی ترقی وکمال کا تمام تر انحصار اتباعِ سنت پر ہے۔ مشائخ نقشبند اتباع شریعت، پابندیِ سنت اور اس پر مداومت اور استقامت کو روحانی طاقت کو قوی کرنے کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں۔

سوم: سلسلہ نقشبندیہ کے اقرب طرق یعنی خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا سب سے نزدیکی راستہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا وسیلہ ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری طرف سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ظاہر ہے وسیلہ جس قدر قوی ہوگا راستہ اتنی ہی جلدی اور آسانی سے طے ہوگا اور یہاں تو دوہرا وسیلہ موجود ہے۔ اس لحاظ سے اس سلسلہ کو دیگر سلاسل پر برتری حاصل ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں عظیم الشان شخصیت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے قلب معظم میں فیض کے دو دریا جمع تھے، ایک طرف تو آپ نے باطنی نعمت اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پائی جسے نسبت صدیقیہ کہتے ہیں اور دوسری طرف اپنے والد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بیعت حاصل کر کے خرقۂ خلافت وامامت پایا جسے نسبت مرتضویہ کہتے ہیں، اسی جہت سے آپ کو مجمع البحرین کہا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں۔ جبکہ آپ کے والد گرامی سیدنا امام باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی ہیں۔ یوں آپ والدہ کی طرف سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والد کی طرف سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتے ہیں یعنی آپ والدہ کی طرف سے صدیقی اور والد کی طرف سے علوی و فاطمی ہیں اور یہ دوہری نسبت

سلسلہ نقشبندیہ کا اعزاز ہے۔

چہارم: جہاں پر دوسرے طریقوں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اس طریقہ کی ابتدا ہوتی ہے۔اس طرح یہ طریقہ وصول الی اللہ کا قریب ترین راستہ ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے سیر باطنی کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے، عالم خلق کو اسی کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے مشائخ کے کہ وہ سیر کی ابتدا عالم خلق سے کرتے ہیں اور وہ عالم خلق طے کر لینے کے بعد ہی عالم امر میں قدم رکھتے اور مقام جذبہ میں پہنچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ تمام طریقوں سے اقرب ہے اور یقینی طور پر دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں ہے''۔

ذکر خفی قلبی: تصوف کا ایک اہم رکن

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیادی خصوصیت ذکرِ خفی ہے۔ذکر اللہ اگر اونچی آواز میں ہوتو اسے ذکر جہری کہتے ہیں اور اگر بغیر آواز کے ہوتو اسے ذکر خفی (چھپا ہوا) کہتے ہیں۔اگر زبان سے ہوتو اسے ذکر لسانی کہتے ہیں اور اگر دل سے ہوتو اسے ذکر قلبی کہتے ہیں۔قلبی ذکر چونکہ دل میں ہوتا ہے اس لیے یہ خفی بھی ہوتا ہے۔ذکر خفی قلبی۔

محقق و محدث کبیر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے بہتر عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے ربّ کے نزدیک زیادہ پاکیزہ ہو، جو تمہارے اعمال میں سب سے بلند مرتبہ ہو، جو تمہارے سونا اور چاندی کے خیرات کرنے سے زیادہ اچھا عمل ہو، جو تمہارے لیے اس عمل سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمنوں سے مقابلہ کر کے انہیں قتل کرو اور وہ تمہاری گردنوں پر وار کریں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے''۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے۔یہی وہ ذکر ہے جس کا مرتبہ جان و مال خرچ کرنے سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ باطنی عمل ہے اور دل کا عمل ہے۔

جو دوسرے اعضاء کے اعمال سے نفس کے لیے زیادہ سخت ہے بلکہ یہی جہاد اکبر ہے۔

خواجہ محمد جمشید لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر ہمیں تلقین کیا وہ خفی قلبی ذکر ہی ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے:

''پیٹ میں لقمہ حلال ہو، بدن پر کپڑا پاک ہو، شریعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھاما ہو اور ذکر ذکر زندگی بن جائے تو صاحبو!

اس راہ میں اللہ تعالیٰ وہ فیوض، انوار اور اسرار عطا فرماتا ہے کہ دریا سیاہی بن جائیں تو لکھنے سے عاجز آجائیں''۔

نقشبندیہ کے گیارہ اصول

مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ علیہم نے اپنے طریقہ کی بنیاد گیارہ اصولوں پر رکھی ہے۔آٹھ اصول خواجہ خواجگان حضرت عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے:

1۔ہوش دردم
2۔نظر برقدم
3۔سفر در وطن
4۔خلوت در انجمن
5۔یاد کرد
6۔بازگشت
7۔نگہداشت
8۔یاداشت

اور تین کلمات بانی سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں:

1۔وقوف زمانی 2۔وقوف قلبی
3۔وقوف عددی۔

ان کی مختصر تشریح یوں ہے:

1۔ہوش دردم: یہ اصل میں پاس انفاس ہی ہے۔ یہ کہ سالک کا ہر سانس حضور و آگاہی یعنی ہر دم ہوش میں ہوتا کہ کوئی سانس غفلت و معصیت میں نہ گزرے اور ہر وقت سانس کی حفاظت کرے تاکہ رابطہ ٹوٹنے نہ پائے اور وابستگی قائم رہے ۔طریقت کا زیادہ دارومدار اسی اصول پر ہے۔حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دیں۔یعنی سانس کے دخول و خروج اور خروج و دخول کے درمیان محافظت درکار ہے کہ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرے۔اگر غفلت محسوس کرے تو استغفار کرے۔

2۔نظر برقدم: یعنی اپنی نگاہ اپنے پاؤں کی طرف رکھنا۔ کیونکہ نیچی نظر رکھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ تاکہ نظر کی محافظت ہو سکے اور کوئی بصری آلائش یا نقش و نگار دل کو پراگندہ نہ کر سکیں۔ اس لیے سالک کو راہ چلتے ادھر اُدھر نہ دیکھنا چاہیے کیونکہ نظر کی آلودگی ایک ایسا زہر آلود تیر ہے جس سے شکار اور شکاری دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں اور یہ ہلاکت نقص ایمان ہے۔ رسوائی و تباہی دارین ہے۔دیگر اس سے مراد یہ بھی ہے کہ سالک کا قدم باطن اس کی نظر باطن سے پیچھے نہ رہے۔ سالک اپنی برائی اور نیکی کے قدم کو دیکھے اگر برائی میں قدم دیکھے تو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو مزید آگے بڑھائے۔

3۔سفر در وطن: سفر در وطن کے معنیٰ ہیں اپنے باطن میں سفر کرنا۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی اصل تخلیق ملکی ہے جو اس جسد بشری سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ جب روحی و ملکی تخلیق کے بعد مادی و بشری تخلیق میں روح نے نزول کیا تو وہ روح بھی صفات ذمیمہ کا شکار ہو گئی۔ اب اصل وطن کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ اپنے اندر ان صفات حسنہ کو تلاش کرے جن کی استعداد اس کے اندر رکھ دی گئی ہے اور جو اس کی روح کی پہلی کائنات ہے۔لہٰذا آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ حاصل کرے یعنی طلب جاہ، بغض، حسد، کینہ کو دل سے نکال باہر پھینکے اور اپنے دل کو اُن سے بالکل پاک کر دے۔ دوسرے لفظوں میں صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرنا ہے کیونکہ جب تک رذائل دل میں بھرے ہوں گے۔تو خدا کا دل میں دخول کیونکر ممکن ہوگا۔

4۔خلوت در انجمن: خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے کہ دل سے خدا کے ساتھ مشغول رہے اور اپنے تمام مشاغل روزمرہ از قسم طعام و قیام اکل و شرب، نشست و برخاست، معاملات فہم و ادراک وغیرہ پر اللہ جل شانہٗ کے ساتھ تعلق کو قائم رکھے۔اس کے لیے طہارت کوئی شرط نہیں ہے، خلوت در انجمن ہمارے لیے سلسلہ نقشبندیہ نے وہ اصول وضع کر کے دیا ہے۔جس پر عمل کر کے ہم تہذیب و تمدن، معاشرت، ثقافت،

اقتصادیات ،معاشیات، معاملات غرضیکہ زندگی کے تمام گوشوں کو اسلام کے عین مطابق قائم کر کے صحیح اسلامی معاشرت قائم کر سکتے ہیں۔فارسی میں کہتے ہیں کہ:

دَست بہ کار و دِل بہ یار۔

پنجابی محاورہ بھی ان ہی معنیٰ میں ہے کہ

ہتھ کار ول دل یار ول

یعنی اپنے کام میں مصروف ہونے کے ساتھ دل اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔خواجہ خواجگان حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلوت در انجمن ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا ہے۔

5۔یادکرد: یادکرد ذکر کے ہم معنیٰ ہے۔مراد یہ ہے کہ اپنے شیخ سے سیکھے ہوئے ذکر بروقت ادا کرنا ہے ذکر اس کثرت سے کرے کہ اللہ جل شانہٗ کی حضوری حاصل ہو جائے۔امام طریقت حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ حضرت حق کے ساتھ حاضر رہے۔ذکر غفلت سے باز رکھتا ہے۔

''جو دم غافل سو دم کافر''۔

نیز ذکر سے مراد کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی تعلیمات کے علاوہ صفات الٰہیہ کو اپنے معانی کے ساتھ ذہن نشین کرنا ہے۔

6۔بازگشت: یعنی رجوع کرنا یا پھرنا۔اس سے مراد یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار مناجات کی طرف رجوع کرے۔

حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ کی یہ دعا تھی:

الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو محبت مغفرت خود بدہ

''اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور اپنی خوشنودی اپنی محبت اور مغفرت عطا کر''۔

طالب کو چاہیے کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنا دامن طلب بھی پھیلاتا رہے۔

7۔نگہداشت: اس سے یہ مطلب ہے کہ ذاکر اپنے قلب کے خطرات اور احادیث نفس نگاہ میں رکھے اور کمال ہوشمندی سے رہے اور جو وساوس و خیالات غیر خدا دل میں آئیں اُن کا ابتدا ہی سے تدارک کرے۔

8۔یاداشت: یاداشت فکر اور دھیان کے ہم معنیٰ ہے اور اس سے مراد دوام آگاہی بحق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نگہداشت اور یادداشت میں کیا فرق ہے۔نگہداشت میں طالب اپنی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول رہتا ہے لیکن یاداشت میں بلا کوشش اور خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول و مخاطب ہوتا ہے اور یہ مقام منتہیان ولایت کو حاصل ہوتا ہے۔

امام طریقت حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تین اصطلاحات

1۔وقوف زمانی: وقوف زمانی اور ہوش دردم تقریباً ہم معنیٰ ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ ہوش دردم مبتدی کے واسطے ہے۔ ہر لحظہ اور ہر لمحہ احتیاط ہے اور وقوف زمانی متوسط کے لیے مناسب ہے کہ کچھ کچھ دیر بعد تامل کرے اور وقوف زمانی سے محاسبہ بھی کیا جاتا ہے کہ نفس کس سمت کو جا رہا ہے۔

2 ۔وقوف عددی: وقوف عددی سے مراد سالک کا اثنائے ذکر سے واقف رہنا ہے اور جب ذکر حق کرے تو طاق عدد پر کرے نہ کہ جفت عدد پر، لیکن ذکر عددی کے ساتھ ذکر قلبی بھی ضروری ہے۔

3 ۔وقوف قلبی: وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور قلب خدا کی طرف متوجہ رہے تا کہ سب طرف سے توجہ ٹوٹ کر معبود حقیقی کی طرف ہو جائے اور وساوس و خطرات دل میں داخل ہی نہ ہونے پائیں۔خصوصاً جلسہ ذکر کے دوران اُس کا پورا خیال رکھے۔یہاں زندگی کو پیش آنے والے مختلف مراحل میں خدا کے پسندیدہ و ناپسندیدہ کام کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔گویا ہر پیش آنے والے امر پر یہ فیصلہ کرے کہ یہ کام خدا کو پسند یا ناپسند ہے۔ناپسند کو ترک کرنا اور پسندیدہ پر کاربند ہونا لازمی ہے بس اسی کا نام وقوف قلبی ہے۔وقوف قلبی شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہت ضروری ہے اور یہ رکن عظیم ہے۔طریقہ سلسلہ نقشبندیہ کا دارومدار اسی پر ہے۔

شجرۂ طریقت اور اس کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناصب جو اللہ تعالیٰ نے قُرآن میں بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

- قُرآن کی تلاوت سکھانا، قُرآن کی تلاوت کے شعبے کی ذمہ داری قرّاء حضرات نے اٹھائی۔
- تزکیہ نفس کرنا، تزکیہ کی صوفیا کرام نے اٹھائی
- کتاب کی تعلیم دینا، علم و حکمت کی علماء کرام نے اٹھائی۔

علما کرام میں محدثین کرام نے احادیث شریفہ کو اُمت تک محفوظ طریقے سے پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔جس طرح محدثین کرام احادیث شریفہ کو اُمت تک محفوظ طریقے سے پہنچانے کے لیے اپنی سندوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی سندوں کو اس ترتیب سے روایت کرتے ہیں جس ترتیب سے ان تک روایت پہنچی ہوتی ہے۔بعینہ اسی طرح صوفیاء کرام بھی اپنی نسبت کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے ان تک نسبت پہنچی ہوتی ہے۔نسبت کی یہی ترتیب شجرۂ طریقت کہلاتی ہے۔

(زبدۃ التصوف)

شجراتِ طریقت ترتیب کے لحاظ سے دو طرح کے ہوتے ہیں:

1-مثل سلسلہ روایت:

اپنے شیخ طریقت کے نام سے شروع کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک تک۔

2۔بحسب تفاوت مراتب:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سے شروع کر کے اپنے شیخ کے مبارک نام تک۔

اہمیت اور فوائد:

شجرہ بحضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے جس طرح حدیث کی اسنادیں، امام عبد اللہ بن مبارک جو اولیاء و علماء و محدثین و فقہا سب کے امام ہیں فرماتے ہیں:

لولا الاسناد لقال فی الدین من شاء ما شاء

''اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کا جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا''۔ (صحیح مسلم)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں

1۔روحانی توجہ کا حصول: سلاسل طریقت میں شجرہ کے پڑھنے کی تلقین اس لیے کی جاتی ہے کہ جب کوئی مرید یا طالب اپنے سلسلے کا شجرہ پڑھتا ہے تو اپنے مشائخ کرام کے نام لینے اور ایصال ثواب کرنے کی برکت سے شجرہ پڑھنے والے کو اپنے تمام شجرے میں درج شیوخ طریقت کی روحانی توجہ اور فیوض حاصل ہوتے ہیں۔قبلہ شاہ جی فرماتے ہیں کہ شجرۂ طریقت پڑھنے سے جمعیت خاطر میسر آتی ہے۔ مشائخ کی حقیقتوں کے تصور سے روحانیت اور قرب کی منزلیں لحظوں میں طے ہو جاتی ہیں۔

2۔مشائخ کی محبت کا حصول: طالب کو جب یہ یقین کامل ہو جائے گا کہ میں نے جس پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، میرے اس پیر کا سلسلہ شجرے میں درج

تمام مشائخ عظام سے ہوتا ہوا حضرت محمد ﷺ تک پہنچتا ہے تو اس کے دل میں مرشد اور سلسلے کے تمام مشائخ اکرام کی محبت راسخ ہوجانا لازمی امر ہے۔ راہ طریقت میں اپنے مرشد اور سلسلے کے مشائخ عظام کی محبت ہی کامیابی کا اصل راز ہے۔

3۔ برکات کا حصول: جب طالب شجرہ پابندی سے پڑھتا ہے اور سلسلے کے بزرگوں کی ارواح مقدسہ کو ایصال ثواب بھی کرتا ہے تو اس پر بزرگوں کی خصوصی نظرِ عنایت ہوتی ہیں، جس سے وہ طالب دینی اور دنیاوی بے شمار برکتیں حاصل کرتا ہے۔ بزرگوں کی ارواح طیبہ متوجہ ہوتی ہیں، رزق، عمر، اولاد میں برکت، اعمالِ صالحہ میں ترقی ہوتی ہے۔

تمام سلسلہ کے شیوخ طریقت اسی لیے اپنے مریدین کو تاکید کرتے ہیں کہ روزانہ شجرہ شریف ایک مرتبہ ضرور پڑھ لیا کریں، تاکہ ان انعام واکرام سے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ سے عطا ہوں، درجہ بدرجہ پیران عظام کے توسل سے وہ بھی مستفیض و مستفید ہوتے رہیں۔ بزرگ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بلاناغہ شجرہ شریف پڑھنے کی برکت سے دل روشن اور گناہ معاف ہوتے ہیں، طبیعت میں ذوق وشوق و تازگی رہتی ہے، ایمان کو قوت پہنچتی ہے، محبت رسول اللہ ﷺ زیادہ حاصل ہوتی ہے، بلا ومصیبت سے نجات اور اعداء ظاہری وباطنی پر فتح نصیب ہوتی ہے۔

4۔ قبولیت دعا کا حصول: شجرہ شریف کی مثال زنجیر کی کڑیوں کے مانند ہے اور جس طرح زنجیر کے ایک سرے کی حرکت دوسرے سرے تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح شجرہ شریف کے پڑھنے سے بھی اپنے شیخ و مقتدا سے لے کر جناب سرورِ کائنات ﷺ تک تمام حضرات کی توجہ باطنی شامل حال ہوجاتی ہے۔ سلسلہ کے بزرگوں کو نام بنام یاد کرنے سے ہر ایک ظاہری و باطنی مشکل ومصیبت رفع ہوجاتی ہے۔ ان حضرات کو وسیلہ وواسطہ گردانتے سے جو مراد یا دعا مانگی جاتی ہے قبولیت حاصل کرتی ہے۔

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کثرت کے ساتھ شجرہ شریف پڑھا کرتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے کہ دل اگر غفلتوں کی تاریکی میں ڈوب جائے اور ناسوت پر کاٹ دے تو علاج محض فضل الٰہی ہے اور وسیلہ اپنے بزرگوں کے شجرہ سے مدد حاصل کرنا ہے۔

مرشد کی ضرورت

بلاشک وشبہ قرآن اور احادیث ہمارے لیے رہبر و رہنما ہیں لیکن اندرونی نجاستوں (غلاظتوں) سے پاک ہونے اور عبادات میں خشوع وخضوع پیدا کرنے، عرفان خداوندی حاصل کرنے کے لیے کسی روحانی طبیب (مرشد کامل) کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اے محترم! انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ بارگاہ قدس میں ہی پہنچنا ہے لیکن چونکہ مرید شروع میں بہت سے تعلقات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے انتہائی میلے پن اور پستی میں ہوتا ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ انتہائی پاکیزہ اور بہت بلند ہے اس لیے فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے طالب اور مطلوب کے درمیان جو مناسبت چاہیے وہ موجود نہیں، لہٰذا اس کے راستہ سے باخبر اور راستہ کو صحیح دیکھنے والے پیرِ کامل کے سوا کوئی چارہ نہیں جو درمیان میں واسطہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے قرب اور عام انسانوں سے رابطہ رکھتا ہو تاکہ وہ مطلوب کے ساتھ طالب کے وصول کا ذریعہ بنے''۔

(مکتوب ۹۶۱ دفتر اول حصہ سوم)

اولیائے کاملین جو روحانی پاکیزگی کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں انہوں نے بھی قرآن وسنت کے انہی احکامات کی پیروی کی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ولی بھی کسی نہ کسی کامل مرشد کا بیعت اور صحبت یافتہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ بھی اسی جانب ہے، فرماتے ہیں:

ہیچ کس از نزد خود چیزے نہ شُد
ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شُد
ہیچ حلوائی نہ شُد استادِ کار
تا کہ شاگردے شکر ریزے نہ شُد
مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شُد

''کوئی خود سے کچھ نہیں بن سکتا، کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھ نہیں چڑھتا اور حلوائی از خود اپنے کام کا استاد نہیں بن جاتا جب تک وہ کسی حلوائی یا شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں خود بھی مولوی سے مولانا رُوم نہ بن سکا جب تک میں نے شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی اختیار نہ کی''۔

حضرت غوث الثقلین سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے اللہ کے بندو! تم حکمت کے گھر میں ہو لہٰذا وسیلہ کی ضرورت ہے۔ تم اپنے معبود سے ایسا طبیب (مرشد) طلب کرو جو تمہارے دلوں کی بیماریوں کا علاج کرے۔ تم ایسا معالج طلب کرو جو تمہیں دوا دے، ایسا رہنما تلاش کرو جو تمہاری رہنمائی کرے اور تمہارے ہاتھ پکڑ لے۔ تم اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مؤدب بندوں اور اس کے قرب کے دربانوں اور اس کے دروازہ کے نگہبان کی نزدیکی حاصل کرو۔

(الفتح الربانی۔ ملفوظاتِ غوثیہ)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وصالِ حق تعالیٰ مرشدِ کامل اکمل کی رہنمائی کے بغیر ناممکن ہے۔

اگر سیّدنا غوث الاعظم، حضرت سلطان باہو، مولانا روم اور دیگر اہل اللہ کو روحانی منازل طے کرنے کے لیے بیعت اور صحبت کی ضرورت تھی تو ہم جیسے عام اور ناقص مسلمان کو روحانی طاقت کے حصول اور اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لیے کسی استاد یا مرشد کی ضرورت لازم ہوگی۔

ہمارے پڑدادا مرشد حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''حال اور مقام کسی کامل اور صاحب نسبت کی توجہ کے بغیر حاصل ہونے والی چیز نہیں۔ یہاں کثرت عبادت کام نہیں کرتی بلکہ توجہ کام کرتی ہے اور پیر ومرشد کی معمولی سی ناراضگی کی وجہ سے سالک حال ومقام اور واردات و کیفیات کی دولت سے محروم ہوجاتا ہے''۔

لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ مرشد کامل ہونا ضروری ہے اور کامل مرشد کی علامات بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

''ایسا سلسلہ جس کی نسبت حضور اقدس ﷺ تک مسلسل ہو، بابصیرت ہو، شریعت وسنت کا پابند ہو دنیا کا طالب نہ ہو، حرص اور لالچ سے پاک ہو۔

بقیہ صفحہ 40 پر

قرآنی آیات اور حکمتوں کی روشنی میں
سوال و جواب

حکمتِ قرآن

قسط دوم

مفسر قرآن مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ جی اے آر وائے کیوٹی وی کے زیر اہتمام اتوار کی شب 7 بجے ''حکمت قرآن'' کے عنوان سے نشر ہونے والے ایک پروگرام میں قرآنی حکمتوں اور اسرار و رموز کے بیش بہا موتی اپنے ناظرین و سامعین کو عطا کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض ملک کے معروف نقیب قاری محمد یونس قادری سرانجام دیتے ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ان علمی و روحانی خزائن کو ماہنامہ ''دلیل راہ'' کے سامعین کے لیے قرطاس پر منتقل کرنے اور آپ تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

آیئے!!! شاہ جی کی ان نور نور اور حکمت افروز قرآنی تبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

شعاع اور شعلہ

سوال نمبر 1

سورہ فاتحہ قرآن حکیم کی انتہائی اہم سورت ہے۔ اس سورت کے بہت سے اسماء علمائے کرام بیان کرتے ہیں۔ میں پوچھنا چاہوں گا کہ اس سورت کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے اسمائے سورت کو سمجھنا کیوں ضروری ہے؟

جواب

سورۃ کا معنیٰ ہوتا ہے ''باڑ لگا کر کسی گھر کو محفوظ کر دینا''۔ قرآن مجید کی 114 سورتوں میں، میں یہ اشارہ سمجھتا ہوں کہ کائنات لفظ و معانی کے اندر 114 شعبے ہیں۔ تکوینی، تشریحی، ظاہری اور باطنی۔ کہیں اسرارِ سربستہ ہیں اور کہیں آشکار کائنات ہے، کہیں ستارے جھلملا رہے ہیں، کہیں آفتاب روشنی دے رہا ہے اور کہیں مہتاب کھلونا بنا ہوا ہے۔ کہیں آسمان کی بلندیاں ہیں اور کہیں زمین کے نظارے ہیں۔ سورہ فاتحہ پوری کائنات کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہے اور اپنے احاطے میں لے کر اپنے قاری کو بتاتی ہے کہ تو کہاں کی سیر کرے گا؟ جس دنیا میں تو قدم رکھے گا تیری ملاقات حضرت محمد ﷺ سے ہو جائے گی اور ربِّ محمد ﷺ سے بھی ہو جائے گی۔

سورۃ الفاتحہ ایک جمالیاتی جہاں کو کھولنے والا ایک علمی تحفہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو دیا ہے۔ اس سورت کو اسی جذبہ سے پڑھنا چاہیے۔ یہ سورت رحمتوں کے، علوم کے اور معارف کے دریچے کھولتی ہے۔ انسان پر اس کے اندر کی کائنات بند ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سورت کی برکت سے کھول دیتا ہے۔ پھر بندہ خواہ اپنے حجرہ میں ہو، یا سجدہ میں، وہ محسوس کرتا ہے کہ جسے میں ربّ مانتا ہوں، وہ مجھ سے دور نہیں ہے بلکہ مجھ سے قریب ہے۔

سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے۔ اس کے بہت سے اسماء ہیں:۔

اسے ''سورۃ الدعاء'' بھی کہتے ہیں۔

اسے ''سورۃ الشفاء'' بھی کہتے ہیں۔

اسے ''سورۃ الرقیۃ'' بھی کہتے ہیں۔

اسے ''سورۃ الحمد'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے

''الکنز'' بھی اس کا ایک نام ہے۔

اس سورت میں خزانے بھی ہیں اور رحمتیں بھی۔ زندگی کے بھولے ہوئے مسافروں کے لیے یہ سورت منزل کا نشان بھی ہے اور دکھی انسانیت کے لیے شفا کا پیغام بھی ہے۔ اگر انسان بننا چاہے، تو اس کے لیے یہ سورت ایک بڑی دولت ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں آکر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے انسانیت کے لیے رحمتوں کے سمندر موجزن کر دیے گئے ہیں۔

سوال نمبر 2

فاتحہ کا آغاز ''الحمدللہ رب العالمین'' سے کیا گیا اس جملے میں اللہ رب العزت کی حمد کے ساتھ ساتھ اس کی شانِ ربوبیت کو بھی بیان کیا گیا۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری عملی زندگی کے لیے اس پوری سورت میں بالعموم اور اس کے ابتدائی جملے یا آیت میں بالخصوص کیا اسباق ہیں؟

جواب

پوری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ کہیں مظاہر مسرت ہیں یعنی خوشیاں ہیں مالی اور مادی۔ کہیں شادی ہے اور کہیں ولادتوں کا خروشِ مسرت ہے۔ دوسری کیفیت یہ ہے کہ لوگ دکھی ہیں اور مصائب و آلام کا شکار ہیں۔ قرآن ''الحمد'' سے شروع ہوتا ہے اور ''والناس'' پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں سبق یہ ہے کہ ''جب تمہیں نعمت ملے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور کوئی تکلیف اور دکھ محسوس کرو تو خود کو خدا کی پناہ میں دے دو''۔

''الحمد'' شکر ہے۔ انسان کا کردار جب Mature ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر جذباتِ شکر پیدا فرماتا ہے۔ ہر جرم ناشکری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں جہاں انسان اجڑتا ہے اس کا اجڑنا، ناشکری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید تشکر کے جذبات و احساسات دیتا ہے۔ اگر انسان یہ سمجھ جائے کہ: میرا منعم کون ہے؟

مجھے زندگی کس نے دی ہے؟

مجھے تحرّک کون دیتا ہے؟ رزق کس کی عطا ہے؟

جب وہ ان سوالوں کے جواب جان جاتا ہے کہ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے تو اس کا سارا وجود سراپا تشکر بن جاتا ہے۔ اگر آپ کو دکھ پہنچے تو قرآن مجید اس پیغام کے ساتھ ختم ہوا کہ ''دائیں بائیں مت بھاگو بلکہ خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اس کے قلعے میں آجاؤ۔ کیوں کہ جو پیدا کرتا ہے، بچاتا بھی وہی ہے''۔

قرآن مجید الحمد سے والناس تک اس کے قصے، واقعات، آیات، اسلوب اور حروف کی دل آویزیاں

دیکھ کر بندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے بندہ اس سے قریب ہوسکتا ہے اور کبھی اس سے مدد مانگ کر اور اس کی پناہ میں آ کر اس سے قریب ہوسکتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے دور ہی نہ ہو تو وہ اس زمین پر اس کی نعمت بن کر جیتا ہے۔ الحمد میں یہ پیغام ہے کہ اپنے اندر شکر گزاری پیدا کی جائے اور اپنے رویوں کی اصلاح کی جائے۔ اس بات کو اس بات سے قوت دی گئی کہ:

مَنْ لایَشْکُرُ النَّاسَ لایَشْکُرُ اللّٰہَ

(جامع ترمذی۔حدیث 1954)

''جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا''۔

انسانی سطح پر بھی وفاشناسی اور احسان مندی بڑی نعمت ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ بندوں کا شکریہ ادا کرے اللہ تعالیٰ تو بہت بڑا ہے، اس کا شکر ادا کرنا بھی لازم وملزوم ہے۔ ربوبیت کا لغوی معنیٰ یہ لکھا گیا کہ'' کسی چیز کو دھیرے دھیرے اس کے کمال تک پہنچا دینا''۔ ربّ کریم نے ''حمد'' کا جذبہ انسانوں میں پیدا کرنے کے بعد انہیں یہ پیغام دیا کہ وہ اس جگہ زانو نہ ٹیکیں جہاں کوئی کمال کی دولت دینے والا بھی نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو بندے کو آہستہ آہستہ اس کی ضرورتوں اور حالات کے مطابق کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر ''ربوبیت'' کو عالمین کے ساتھ جوڑا گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس ساری کائنات میں آپ جس چیز کو بھی دیکھیں وہ کامل نظر آئے گی۔ مثلاً سورج کی تپش اور حرارت میں کوئی کمی نہیں ہے۔۔۔ مہتاب کی کشش میں کوئی کمی نہیں ہے۔۔۔ دھنک کے رنگوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔۔۔ سمندر موجزن ہیں۔۔۔ ندیاں رواں دواں ہیں ۔۔۔ اور آب جوئیں متاثر کر رہی ہیں۔۔۔ ہر چیز کامل ہے۔ اس میں سبق یہ ہے کہ وہ اللہ جو ساری کائنات کو maturity اور کمال تک پہنچانے والا ہے، تو اے انسان! تو غلط فہمی کا شکار کیوں ہے۔۔۔؟ تجھے بھی اللہ کی طرف آنا چاہیے۔ سورۃ الفاتحہ کا یہ مقام بتاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے قرب کو پانے کے لیے قدم بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔

سوال نمبر 3

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم ''الحمد سے والناس'' تک آقا حضور رحمت عالم ﷺ کی سیرت کا بیان بھی ہے۔ اب اس عقیدے کی بنیاد پر اگر میں یہ کہوں کہ سورۂ فاتحہ بھی آقا ﷺ کی سیرت ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس حوالے سے اس سورت کو سمجھنے کا انداز کیا ہونا چاہیے؟

جواب

قرآن کو سمجھنے کے دو انداز ہیں:

ایک انداز یہ ہے جو جدید لوگوں کا اختیار کردہ ہے کہ بندہ کو خدا تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں اور وہ دلیل کے لیے سورۃ الفاتحہ کی مثال دیتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان سے ہر واسطے اور وسیلے کو ختم کر دیا۔

دوسرا اندازِ فہم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام حضور ﷺ کے سینۂ انور پر اتارا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تک ہر بندے کی رسائی نہیں ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کے لیے وسیلے کی ضرورت تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رُسل مبعوث فرمائے، خصوصاً امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے سامنے عملی نمونہ موجود ہو تو اس کے لیے کام کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن ایک عملی کتاب ہے، یہ خود عمل کر کے نہیں دیتی اگر اس کے احکام کی عملی صورت دیکھنی ہو تو اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی چلتا پھرتا قرآن دیکھنا چاہے تو محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں دیکھے''۔

اگر ہم قرآن مجید کو کتابِ سیرت نہیں مانیں گے تو اس نظریاتی کتاب کو ہم اعمال میں اثر آفگینی سے دور کر کے رکھ دیں گے۔ ضروری یہ ہے کہ جو قرآن سیکھنا چاہتا ہے اسے حضور ﷺ کی احادیث کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے اور اسے آپ ﷺ کی سنت و سیرت سے رہنمائی بھی لینی چاہیے۔ اسی صورت میں اسے قرآن مجید کی کیفیت بھی نصیب ہوگی اور اسی صورت میں قرآن کا ذائقہ بھی اس کے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کا قرب عطا فرمائے (آمین) کیوں کہ اس کے بغیر قرآن کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

سوال نمبر 4

قرآن کو سمجھنا ہے تو اس کے لیے صاحب قرآن ﷺ سے ربط قائم کرنا ضروری ہے۔ وضاحت فرمائیے؟

جواب

قرآن حکیم بھی رسالت مآب ﷺ کی زبان نور سے سنا گیا اور احادیث مبارکہ بھی آنحضرت ﷺ کی زبان نور سے جاری ہوئیں لیکن نہ قرآن کا کوئی حصہ حدیث بنا اور نہ ہی حدیث کا کوئی حصہ قرآن بنا۔ یہ اعجاز اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون

''بے شک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ (الحجر)

جب تک آپ کا تعلق صاحب قرآن ﷺ سے نہیں ہوگا، جب تک صاحب قرآن ﷺ کا قرب آپ کے سینے میں تموّج پیدا نہیں کرے گا تب تک آپ قربِ قرآن کی خوشبو اور منشاء خدا کو نہیں حاصل کر سکتے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو وسیلہ بنانا ہوگا اور حضور ﷺ کی آل اطہار کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔ پھر یہ سمجھ آئے گا کہ قرآن کیسا انقلاب لانا چاہتا ہے۔

سوال نمبر 5

قرآن سمجھنے کے لیے حضور ﷺ کی آل کو لازم و ملزوم بنانا پڑے گا۔ اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

جواب

وہ لوگ جنہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی حضور ﷺ کا چہرہ دیکھا ہو اور کلمہ پڑھا ہو، وہ صحابی ہوتے ہیں۔ ابدال، اقطاب اور اولیاء بھی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ وہ ہستیاں کتنی بڑی ہیں کہ جن کی صبح و شام حضور ﷺ کی صحبت میں گزری۔ اگر آپ قرآن سمجھنا چاہیں تو یہ حدیث آپ کو دل کی تختی پر لکھنی پڑے گی کہ:

''اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک قرآن اور ایک میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ یہ حوض کوثر پہ آ کر مجھ سے مل جائیں گے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بند بنا کر اور روک پیدا کر کے حضور ﷺ کے خون کا راستہ الگ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن فہمی کے لیے حضور ﷺ کی آل ایک وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

باقی صفحہ 36 پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سعید بدر
ہچکیوں، سسکیوں اور آنسوؤں کا شاعر

سعید بدر واصل باللہ ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سعید بدر نعت گو شاعر، خوش مقال ادیب، دردمند صحافی اور راست گو انسان تھے۔ برصغیر کے اکثر جریدوں میں ان کے ادبی مضامین، نعتیہ اشعار اور گہرے شعور پر مشتمل تحریریں ثبت ہوتی رہتی تھیں۔ کوہستان، نوائے وقت اور امروز میں ان کے کالم چھپتے رہے۔ دلیلِ راہ کے وہ پہلے ایڈیٹر تھے۔ راقم کے ساتھ ان کا عقیدت کا رشتہ تھا لیکن تبادلۂ خیالات بے تکلف کرتے تھے۔ ذاتی زندگی میں مسائل کے زخم گہرے رکھتے تھے لیکن مقصد کی لگن نے انہیں صابر دل اور شاکر ذہن عطا کیا ہوا تھا۔ اپنے عہد کا شعور اور طرز احساس منفرد تھا۔ ان کی سسکیوں، ہچکیوں اور آنسوؤں سے لکھی ہوئی لافانی تحریریں دلیلِ راہ کے اوراق میں قاسم خوشبو بنی رہیں۔ ان کے ادب اور تخلیقات کا ایک ایک حرف عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ ایک دو مرتبہ انہوں نے میری معیت میں عمرہ بھی ادا کیا۔ مدینہ میں کوچۂ نور کی زیارت کے دوران ان کی آنکھوں سے آنسو رواں رہتے تھے۔ عشقیہ اداؤں میں قیامت کی وارفتگی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوچۂ حبیب میں تنہا رہ کر مکانوں کو چومیں، بلائیں لیں اور اپنا سب کچھ خاکِ مدینہ پر نچھاور کر دیں۔ عبدالعزیز خالد سے میری ملاقاتیں انہی کے وسیلہ سے ہوئیں۔ خالد کا علمی تبحر اور شعری ارتجال اگر میں بنفس حقیر مشاہدہ نہ کرتا تو شاید تفسیر نویسی میں کمی محسوس کرتا۔ سعید بدر نے عطیۂ عرب کا علمی خزانہ دلیلِ راہ کو چھپنے کے لیے دیا۔

سعید بدر کو شکوہ بھی رہتا تھا کہ میں لکھنے کو مناسب وقت نہیں دیتا لیکن وہ میری والہانہ زندگی کے دائرے سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اپنے بھانجے ڈاکٹر ذوالفقار، فیصل اور بہنوئی کا خاندان میرے ہاتھ پر بیعت کروانے کی خوشی پائی۔ سعید بدر مثبت کردار کی دنیا کا ایک ناقابلِ فراموش نام ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان کی زندگی کا آخری ادبی شہکار اور نعتیہ دیوان مجھے تاخیر سے موصول ہوا اور میں اس پر تقدیم و تقریظ رقم نہ کر سکا لیکن ان کی محبت کا اثر اتنا گہرا ہے کہ ساری زندگی ان کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، اس لیے بھی کہ انہوں نے اپنا سارا کتب خانہ جو ہزاروں کتب پر مشتمل تھا ادارہ تعلیمات اسلامیہ کی لائبریری میں استفادۂ عام کے لیے وقف کر دیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین آمین

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئین کیوں کھاتے ہو؟

سید ریاض حسین شاہ

پاکستان میں ہم سب ایک ہی مٹی کی خوشبو سونگھ کر جی رہے ہیں۔ زندگی کی کتاب بری طرح کرم خوردہ بنی ہوئی ہے۔ بے کس، مفلس اور بے نوا، زار و نزار ہیں۔ بھوک سے تڑپتے ہوئے بچوں کو وہ وجود میسر نہیں جن سے لپٹ لپٹ کر وہ روئیں۔ چہرے اداس ہیں، لب خشک اور حالتیں غمگین ہیں۔ دلوں میں اداسی کرب کا الاؤ بنی ہوئی ہے۔ وطن کا نظام تلخابہ بنا ہوا ہے۔ فتنہ پرور، بے مروت، سخت سینہ، بے درد لوگ مسیحائی کا دعویٰ الاپ رہے ہیں۔ بدنصیبی کے دن اللہ ہی ختم کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں بکری جب بھوکی ہوتی ہے وہ چیتھڑے چبانے شروع کر دیتی ہے۔ سانپ اپنے بچوں کو کھاتا ہے اور بچھو پیدا کرنے والوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ہمیں مل کر اپنی روٹ فاؤنڈیشنز کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ہماری مجبوریوں، تعصّبات اور جہالت نے اتنا بدنصیب بنا دیا ہے کہ ہمارے زعمائے سیاست شقاوت کے ہاتھوں قانون چبا رہے ہیں اور آئین کھا رہے ہیں۔ مشرق مغرب پر جھگڑنے والوں کی غلامی نے ہمیں عزتِ نفسی سے محروم کر دیا ہے۔ عدالتوں کی توہین کو فخر گردانا جاتا ہے۔ ملک کے حفاظتی اداروں کو کمزور بنانا ہم مقدس جنون سمجھتے ہیں۔

حیدر آباد دکن کے ایک دردمند شاعر خورشیدؔ نے کہا تھا:

زندگی ہے یہ بھی کچھ تلخ و زبوں زشت و خراب
ہر نفس میں کروٹیں لیتا ہے سوزِ اضطراب
کیفیاتِ درد کے سانچے میں ڈھلتی زندگی
بھوک کے دہکے ہوئے شعلوں میں جلتی زندگی
جی رہا ہوں زندگی کو ختم کرنے کے لیے
مر رہا ہوں اے خدا بے موت مرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ میری قوم کے بڑوں چھوٹوں پر رحم کرے وگرنہ حالت تو یہی ہے:

سیلِ گریہ میں سفینے آرزو کے بہہ گئے

ماسویٰ اللہ بس اللہ ہی اللہ۔ اللہ اکبر!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلہائے وفا کانٹوں کی زد میں

سید ریاض حسین شاہ

مدینۃ النور میں بیٹھ کر سنگیوں، دوستوں اور دنیوی معاملات سے بے تعلق نہ ہونا اچھی بات نہیں۔ اپنے پیرو مرشد کے حجرۂ نور میں بھی یہی لکھا ہوا پڑھا تھا کہ عافیت اور سلامتی ہجوم میں رہنے سے نہیں تنہائی میں ہے لیکن احوال میں رنگا رنگی آوازِ فطرت ہے۔ ستارے شدید گرم بھی ہوتے ہیں اور یخ ٹھنڈے بھی۔ رفاقتوں اور سنگتوں میں ستارہ ایک خوبصورت مجاز ہے۔ اسے حتمی مشاہدہ سمجھیں کہ روشنیوں سے خوشبو آسکتی ہے اور خوشبوؤں میں رنگ دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک سائنس دان نے کہا تھا: ''انسان ایک ذرّۂ بے مقدار ہے جبکہ اس کا مقابلہ بے رحم حتمیات کے ساتھ ہے''۔ معاش، تاریخی فیصلے اور عروج و شہرت کے لیے بے معنیٰ چھلانگیں۔ آج کا پھول کل کی مٹی ہوسکتا ہے اور آج کی مٹی تراب والوں کی نسبت سے نوری پیکر میں ڈھلنے کے مرحلے طے کرسکتی ہے۔ آسمان، مریخ اور چاند پر جھنڈے لگانے سے ایمان نوازی زیادہ بہتر ہے۔ ایک صدق دل میں جمالیں کہ پانی کے بھنور سے نکلا جاسکتا ہے لیکن ریت کے بھنور میں ڈوبے لوگ واپس کم ہی آیا کرتے ہیں۔ کولمبس کی زمین سے عشق رچانے والے مدینہ و کربلا کا معنیٰ کم ہی سمجھتے ہیں، اس لیے بے قیمت فاصلوں سے بلائیں لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آسمانی وسعت سے زمینی سکونت زیادہ بہتر ہے، اس لیے سنگت کے انتخاب میں غلطی نہ کھائیں۔ شاخوں سے کانٹے نہیں چنے جاتے، گل چینی کی جاتی ہے۔ اتنی عقل تو سناروں کے بچوں کے پاس بھی ہوتی ہے کہ وہ مٹی سے سونا جمع کرتے ہیں، ریت پھینک دیتے ہیں۔ مرضی آپ کی اور آپ سب کی۔ پرچم یہود و نصاریٰ کا پکڑتے ہو یا مکہ و مدینہ کی خوشبوئیں سونگھ کر انتخابِ پرچم کرتے ہو۔ سوچتا ہوں جلوے طور کے بھی ہوں تو انتخاب افق مدینہ ہی کا ہونا چاہیے۔ حق سمجھنے میں بڑا وقت لگتا ہے، کبھی اپنے رفیقانِ محترم تلخیِ حالات میں دب کر اپنے ہی چراغوں کی روشنی کو شہر بدر کر دیتے ہیں۔ مدینہ کی نور نور بستی میں سب کے لیے دعا اور سب کو سلام۔ دامن حروف سمیٹ کر بلھے شاہ جی سے مستفید ہونے لگا ہوں۔ ربّ راکھا:

ہر یار نوں راز نہ دس بلھیا
یاراں دے وی یار ہوندے نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشکلات کی نئی گزرگاہ

سید ریاض حسین شاہ

''بلادالمسلمین'' اس وقت آزمائش کی نئی گزرگاہ پر کھڑے ہیں۔ سب سے زیادہ مشکلات پاکستان کے لیے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مصیبتوں کا الم سوچنے والے زیادہ محسوس کرتے ہیں اس لیے کہ زندہ ضمیری کا خزانہ ان کے پاس ہوتا ہے۔ حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''ضمیر شخصیت کو ماپنے کا میزان ہے''۔

ہم سب کے لیے مشکل یہ ہوگئی ہے کہ ہم اس طاقت کے نقیب بنے بیٹھے ہیں جو اللہ کو سزاوار ہے اور دعویٰ طاقت کے مطابق ہو تو علم ہوتا ہے اور طاقت سے زیادہ ہو تو جہالت کی ظلمت ہوتی ہے۔ ڈینگیں مارنے والے اکثر ذلیل ہوتے ہیں اور خلوص والے اور کام والے عزت پاتے ہیں۔ بلادالمسلمین کا اصل المیہ یہ ہے کہ بے ضمیری، جہالت اور یاوہ گوئی لوگوں کو محبوب بنا دی گئی ہے۔ یہ کس نے کیا ہے؟ ممکن ہے ضمیر کو زندگی مل جائے تو وہ بھی سرنگوں ہو جائے جو بہت جاننے کے دعوے کرتا ہے وہ کچھ نہیں جانتا اور جو بہت سمجھ دار ہونے کی ڈینگ مارتا ہے وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ تواضع گزیں ہونے ہی میں روشنی ہے۔ انعام یافتہ لوگ اصل میں یہی ہیں۔ انہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کھانی چاہیے۔ عجز عرشی تحفہ ہے، ضمیر مخفی خزانہ ہے، خلوص مضبوط ہتھیار ہے۔ محنت عمل نہیں ثمر ہے اور سمجھ داری لوگوں کی اہلیت شناسی ہے۔ روحانی دنیا کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے، دوسروں کو عزت دینے والے ہی عزت پاتے ہیں۔

اللہ ہی اللہ ماسویٰ بس اللہ اکبر!!!!

بزرگیست باید تواضع گزیں
کہ ایں بام را نیست سلم جزیں

قرآن اور تصورِ عدل

محمد شریف سیالوی

کرۂ ارض پر حصول انصاف سے بڑھ کر کوئی ضرورت نہیں۔ دادرسی اور عدل گستری سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ وہی خیر الامم ہے جو قیامِ عدل وانصاف کے عظیم مشن پر مامور ہے جس کا آئین زندگی عدل کی حکمرانی اور تگ وتاز حیات کا مرکز قانون عدل کا نفاذ ہے۔

نظامِ اسلام۔۔۔نظامِ عدالت ہے۔

اورامت مسلمہ۔۔۔۔۔امتِ شہادت ہے۔

ملتِ اسلامیہ بحیثیت ''خیرامت''، ''شہادت'' کا تاج کرامت سجائے عدل وانصاف کو برپا کرنے کے لیے منجانب اللہ مامور ہے۔ قرآن عظیم پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

ان تذھبون ان ھو الا ذکر للعالمین

(۸۱:۲۹۔۲۷)

''تم کہاں جارہے ہو۔ سرچشمۂ حکمت تمہارے سامنے ہے اس کی موجودگی میں تشنہ لبی کا عالم باعثِ حیرت واستعجاب ہے۔ قول وفعل کے تضاد نے تمہاری شخصیت میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ افراد کی شخصیت (Personality) جب خواہشاتِ نفس سے ایک طرف جھک جاتی ہے، عقل وفہم توازن قائم کرنے کے لیے مناسب اقدام نہیں کرتے تو پورا معاشرتی ڈھانچہ غیر متوازن ہوکر رہ جاتا ہے۔ بے انصافی کی یہ کیفیت تمام برائیوں کی جڑ اور ظلم وفساد کی بنیاد ہے۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس ناہمواری اور ظلم وتعدی کی کیفیت کو قانونِ معدلت کے نفاذ سے دور کیا جائے۔ نظام عدالت اسلام، نظام اس کی مکمل طور پر ضمانت دیتا ہے۔

اس سے قبل کہ نظامِ عدالت اور قیام انصاف کے موضوع پر اسلام کا نقطہ نگاہ پیش کیا جائے فکری اور عقلی بنیادوں پر نظریہ عدل (Concept of Justice) کی تحلیل ضروری ہے۔ عدل کے لغوی معنیٰ ایسی برابری کے ہیں جو توازن پر مشتمل ہو۔ قدیم عربی ادب میں عدل البعیر سے مراد وہ سامان لیا جاتا تھا۔ جو اونٹ کی پیٹھ پر لادا جاتا اور اس کی دونوں جانب برابر برابر ہوتی۔ دوسرا ٹیڑھی لکڑی کو گرم کر کے بھاری پتھر کے ذریعے سیدھا کرنے کے لیے عدل کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبۂ خلافت میں فرمایا:

''اذا ملت عدلونی کما یعدل الھم فی الثقاف'' (تاج العروس، عدل)

''اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے ایسے سیدھا کردو۔ جیسے تیر مضبوط بھاری پتھر کے نیچے رکھ کر سیدھے کیے جاتے ہیں''۔

قرآن مجید میں عدل اور اس کے مشتقات کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ ماہرینِ لغتِ قرآن اور مفسرین کرام نے سیاق کے اعتبار سے جو معانی مراد لیے ہیں وہ یہ ہیں:

1) توازن 2) تناسب
3) تاوان 4) ٹھیک
5) صاف واضح 6) ہم آہنگی
7) انصاف 8) مساوات برابری

قرآن مجید میں عدل کے مرادفات (ہم معنیٰ) اور اس کے قریبی مضمون میں القسط، الوسط، المیزان، اعتدال، مستقیم، قسطاس، تقدیر اور ان کے مشتقات وغیرہ ہیں۔

قرآن مجید کے اسلوب بیان اور ان شواہد سے جو نظریہ عدل سمجھ میں آتا ہے اپنے اجزائے ترکیبی اور ماہیت کے اعتبار سے جملہ متذکرہ معانی پر محیط ہے۔ یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے اور ایک ایک کلمہ علم ومعرفت اور دانش وبینش کا بحرِ عمیق ہے۔ علماء کرام نے اس تصورِ عدل کو وضع الشی فی موضعہ۔ ترجمہ: ''کسی چیز کا اپنی جگہ میں رکھنا'' تعبیر کیا۔ یوں عدل سنۃ الٰہیہ ہے کیونکہ وہی ذات ہے جس نے کائنات کو تخلیق فرمایا۔ ہر چیز کو اس کی مناسب ترین جگہ (Fittest Place) پر رکھا۔ ایک کامل ہم آہنگی اور توازن کو اصول روحِ کائنات بنایا۔

☆ "Suitable thing for a suitable place" ایسا قضیہ ہے جو افراد کی اہمیت وصلاحیت کی نسبت اس کا معاشرہ میں مقام تعین کرتا ہے تاکہ اجتماعی توازن برقرار رکھا جاسکے۔ اردو کا مقولہ ہے:

''جس کا کام اسی کو ساجھے''

فصاحت و بلاغت وضع الکلام موضعہ سے یعنی مقتضائے حال اور موقع ومحل کی مناسبت سے زبان و بیان کا استعمال۔ علم حیاتیات (Biology) میں (Survival of the Fittest) قانونِ قدرت مانا جاتا ہے۔

وانبتنا فیھا من کل شئی موزون

القرآن: (۱۵۔۱۹)

''اور اس میں ہر چیز اندازے سے اُگائی''۔

آسمان کی بلندی، زمین کی وسعت، رات کا آنا اور دن کا جانا، ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا برسنا، غنچوں اور کلیوں کا چٹخنا، سورج کی ضیا پاشیاں اور آفتاب کی نور باریاں، رونق باغات اور طائرانِ خوشنوا، شہد کی مکھی کا انہماک اور مرغان صبح گاہی کی خوش الحانیاں، کس کس مظہر قدرت باری کا تذکرہ کیا جائے۔ کس نعمت کو آخری آیت قرار دیا جائے، کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اس کی حکمت کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ کتاب ہستی کا کوئی ایسا

ورق نہیں جہاں اس کے عدل تکوینی کے شواہد نہ ہوں۔ اپنی نگاہ دوڑا لیجیے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ چھان ماریے۔ افلاک واجرام میں سے ہر ایک مشاہدہ کیجیے کیا تمہیں کہیں بگاڑ نظر آتا ہے۔ کیا عدم توازن کا روگ دکھائی دیتا ہے۔ بدنظمی اور اعتدال سے انحراف کا نشان ملتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک کامل ہم آہنگی، توازن اور افراط وتفریط سے مبرّا کائنات کا ہر جز قانون عدل کی نگرانی میں اپنے کل کے ساتھ مل کر مصروف کار ہے۔ قرآن عظیم بار بار دعوت دیتا ہے:

ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفوت ،
فارجع البصر هل تریٰ من فطور

''تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے
تو نگاہ اٹھا کر دیکھ کوئی رخنہ نظر آتا ہے''۔
(۲۷_۳)

عظیم خدا کی عظیم کائنات قانون عدل کی تابع ہے۔ عدل تکوینی کے ان کونیاتی مظاہر پر غور وفکر کے علاوہ انسان کی ذات میں غوطہ زنی کی دعوت دیتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

وفی انفسکم افلا تبصرون

''اور خود تم میں، تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں''۔
(۲۱_۵۱)

تخلیق انسان کا وقت آیا، اسے حسین صورت اور فضل وعلم عطا کیا۔ بحر وبر اس کے زیر نگین کیے۔ شرافت وکرامت کا تاج اس کے سر پر رکھا اور اپنے قانون عدل سے اس کے اجزائے ترکیبی میں حسین امتزاج اور خوبصورت توازن پیدا کیا۔ تعجب ہے کہ انسان قانونِ عدل سے اغماض برت کر خواہشات نفس کی طرف جھک جاتا ہے اور اپنی شخصیت کا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اللہ کریم اپنے اسی بندے کو کمالِ رحمت سے اس نقصان اور دھوکے سے خبردار کرتا ہے:

یا ایها الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوک فعدلک فی ای صورۃ ماشاء رکبک
(القرآن) (۸۲: ۶ تا ۸)

''اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا''۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قانون عدل سنت خداوندی ہے کیونکہ وہی صحیح معنوں میں ''عادل'' ہے اس کی سنت اور اس کا قانون اٹل اور غیر متبدل ہے۔

ولا تجد لسنتنا تحویلا
(القرآن) (۷۷:۱۴)

''اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے''۔

جس طرح تخلیق وتکوین میں قانون عدل صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی کا کارفرما ہے اسی طرح تشریعی امور میں بھی قانون عدل اسی ذات کبریا کا واجب النفاذ ہے۔ خلق وامر دونوں پر قانون سازی اور حکمرانی کا استحقاق بھی اسی ذات واحد ویکتا کے لائق ہے۔

ان الحکم الا للہ۔ (القرآن) (۵۷:۴)

''حکم نہیں مگر اللہ کا''۔

امر خداوندی اور سنت الٰہیہ جو کائنات کے نظم ونسق اور ربط وضبط کے ضمن میں جاری ہے۔ قانونِ فطرت (Natural Law) پر مبنی ہے جو مکمل توازن، کامل ہم آہنگی، عظیم توافق باہمی اور حسین اعتدال سے عبارت ہے اور وہ اوامر جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اخلاقی قدروں کو متعین کرتے ہیں۔ اخلاقی متوالی قوانین Normative Ethical Laws کہلاتے ہیں۔ جیسے کائنات کی حیات وبقا قانونِ عدل کی اتباع میں ہے۔ انسانی فوز وفلاح اور حقیقی حیات بھی قانونِ عدل کو تسلیم کر لینے میں ہے۔ اس عدل کی نسبت سے اخلاقیات اور سیاسیات، عمرانیات اور اقتصادیات الگ الگ قانون میں نہیں بٹ جاتے بلکہ یہ سب مل کر ایک کُل بناتے ہیں۔ اس قانون کے سامنے انفرادیت اور اجتماعیت کی دھڑے بندیاں بے معنیٰ ہو جاتی ہیں۔ اخلاق اور قانون ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

انسان دوسرے موجودات کائنات سے ایک اعتبار سے مختلف ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حریتِ ارادہ اور آزادیِ عمل، دی کتاب عدل (قرآن مجید) اور انبیاء کرام کے ذریعے حق وباطل کے امتیاز کی دولت مرحمت فرمائی اور کرۂ ارض کے مکینوں سے فرمایا کہ:

هدینه السبیل اما شاکرا واما کفورا
(القرآن) (۵۳:۷۴)

''ہم نے اسے راہ بتائی۔ یا حق مانتا یا ناشکری کرتا''۔

یہ محدود آزادی، ارادہ اور قدرت کسب فعل کی حدود میں مختلف جذبات ومیلاناتِ عقلی اور نفسی عوائد ورجحانات میں قانون اور اعتدال صرف اور صرف قانون عدل کے نفاذ سے ہو سکتا ہے جس کا منبع اور مصدر بھی تکوینی عدل کی طرح اللہ کی منشا ہے۔ مرضیِ رب ہی قانون بنتی ہے۔ قانون کی اتباع مرضیِ رب کے حصول کا ذریعہ اور اپنی ذات اور معاشرہ میں توازن واعتدال برپا کرنے کا سبب ہے۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی (Divine will) عدل سے عبارت ہے اور عدل، حسن (Beauty) اور صداقت (Truth) دونوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ جیسے تخلیق اور حسن، عدل اور حسن کو ایک دوسرے کا تکمل قرار دیا گیا ہے۔

یعنی جو حکم خداوندی ہے خواہ وہ کونیاتی ہو یا اخلاقی اپنے اندر حسن بھی رکھتا ہے۔ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر سے یوں کہا جائے کہ حسن وقبح کا معیار حکم الٰہی ہے۔ عقل کوتاہ حسن وقبح کا معیار نہیں بن سکتی (1)۔ حسن وقبح کا معیار عقل یا شرع۔ بحر العلوم، شرح مسلم النبوت۔ الشاطبی، الموافقات۔ الآمدی: الاحکام)

انسانی فکر نارسا نے اس مرحلہ پر بڑی قلا بازیاں کھائیں کسی نے لذت کو حسن عمل قرار دیا کسی نے موافقت مال کو اور کسی نے عقل محض کو (2) انسائکلو پیڈیا آف ایتھکس اینڈ ایلیجن، زیر عنوان Good (خیر) جی۔ اے۔ مور Prinicipal of Ethnica میکنزی: A Manual of Ethics للّی پروفیسر: An introduction to Ethics

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریات انسانی معاشرہ کو کبھی خیر وفلاح کی نوید نہ دے سکے بلکہ ہوا یوں کہ ان عقائد کی آڑ میں حرص وآز اور شہوت رانیوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا۔ یہ بحث اپنی جگہ تفصیل طلب ہے کہ اخلاقیین کے خیر وشر کے بارے میں ان نظریات سے انسانیت نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ یہاں مسئلہ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حسن وخیر کا منبع بھی اللہ

جو حکم خداوندی ہے خواہ وہ کونیاتی ہو یا اخلاقی اپنے اندر حسن بھی رکھتا ہے

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قانون عدل سنت خداوندی ہے

تعالیٰ کی ذات ہے تو کیوں نہ کہا جائے:

وتعز من تشاء و تزل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر

(القرآن)(۳۔۲۴)

''جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ بے شک تو سب کچھ کرسکتا ہے''۔

حق اور صداقت قطعیہ کیا ہے؟ یہاں بھی انسان نے بڑی ٹھوکریں کھائیں اور کئی نظریات پیش کیے۔ جن سے انسانی زندگی کے مسائل سے کوئی گتھی سلجھ تو نہ سکی البتہ الجھ ضرور گئی۔ قرآن مجید صداقت کا تعلق عدل سے قائم کرتے ہوئے منشاء الٰہی کو قانون حیات انسانی قرار دیتا ہے:

''اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں''۔

عدل کی ماہیت اس لحاظ سے صدق اور حسن کے ساتھ تکوین ہوتی ہے۔ افراط وتفریط سے مبرّا ہونا اور بتقاضائے فطرت انسانی نقطۂ اعتدال منشا قانون عدل ہے۔ وسط اور استقامت صفت اعتدال کے لازمی اجزا ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو امت وسط قرار دیا۔

امۃ وسطا لتکونوا شھدا علی الناس

(۲۔۱۱۴)

''امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو''۔

اور طریقہ صالحین، مقربانِ بارگاہ خداوندی کو صراط مستقیم کہا جسے حضور ﷺ نے ''ما انا علیہ واصحابی'' کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ یہ راہ ہدایت ''مسلک اعتدال'' ہے جو سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور جماعت صحابہ علیہم الرضوان سے عبارت ہے۔ وہ عظیم صحابہ جن کو اللہ کے رسول نے تمغۂ عدالت دیتے ہوئے جادۂ منزل تک رسائی کا زبردست ذریعہ بتایا:

اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتیم

(مشکوٰۃ المصابیح فی مناقب الصحابہ)

''میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں، جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے''۔

غرضیکہ قرآن مجید کا تصور عدل کی ایک آفاقی اور ہمہ گیر اصل ہے۔ جو کائنات اور انسانی معاشرہ کی بقادوام اور امن وامان کی ضمانت دیتا ہے۔

انسان کی انفرادی زندگی کے جملہ پہلو قانون اعتدال کی میزان پر تولے اور پرکھے جاسکتے ہیں ایک نفسیات کے طالب علم کے لیے یہ سمجھنا زیادہ دشوار نہیں کہ انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی اس کے جبلی رجحانات، ''طبعی میلانات اور عقلی ونفسانی خواہشات ہیں۔ فرائیڈ کے نظریہ جنس (Sex) کی رو سے شہوانی خواہشات کے منہ زور گھوڑے انسان کو بے راہ رو کر دیتے ہیں۔ ایسے میں ان محرکات کے اندر اعتدال و توازن کا قیام انسانی شخصیت کی بقا کا واحد راستہ ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ اخلاق کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عالم سفلی کی ترکیب چار چیزوں پر ہے یعنی خون، بلغم، صفرا اور سودا ان کے لیے ایک حد اعتدال مقرر ہے۔ علم طب اسی اعتدال سے آگاہ کرتا ہے تاکہ اسے بیماری اور ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے۔ روحِ انسانی کے لیے بھی حدِ اعتدال مقرر ہے۔ جس کی نگہداشت کرنے کے لیے علم اخلاق وریاضت ہے تاکہ اسے اعتدال پر رکھے اور اس کی صحت کا سبب بنا رہے۔ (کیمیائے سعادت) یعنی انسانی شخصیت مستحکم ہو نہیں سکتی جب تک کہ وہ غصہ، شہوت، رحم اور انتقام، محبت ونفرت کے متضاد جذبات واحساسات کسی کو کسی پر غالب نہ آنے دے۔ ان میں توازن صرف اس صورت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ انہیں ایک عالمگیر قانون کے تابع کردیا جائے اور قانون بھی اس کا جس نے یہ قوتیں انسان کو ودیعت کی ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ انسان کو پیدا کرنے والا انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں سے زیادہ باخبر ہے۔ لہٰذا اسی کا قانون عدل انسان کے عالم نفس میں بھی عدل کی حکمرانی قائم کرسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو'' (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ:۳۰)۔ اس کی خواہش میرے حکم کے تابع ہو) یعنی دین مصطفیٰ دین عدل ہی میزان شخصیت میں روح و مادہ، دین ودنیا، عقل وشہوت، محبت ونفرت کے پلڑوں کو برابر رکھ سکتا ہے۔ قرآن مجید نے روحانی اور مادی مسرتوں میں راہ وسط اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ دین کے ساتھ دنیا کی بھلائی طلب کرنے کا درس دیا اور خدا سے مانگنے کا انداز یوں بتایا:

''ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار''

عبادت کے ساتھ معاشی جدوجہد کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ ادھر نماز جمعہ سے فارغ ہوئے ادھر حکم ہوا:

فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ

(سورۂ جمعہ ۶۲۔۱۰)

''تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو''۔

معاملاتِ دین ودنیا اور فکر معاش ومعاد میں عدل قائم رکھنے کی کتنی عمدہ تعلیم ہے جو ان دو پلڑوں کو متوازن نہ رکھ سکا اور کسی ایک کی طرف مکمل جھک گیا تو اس کی شخصیت بحیثیت انسان کے انتشار اور بگاڑ کا شکار ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن مجید کے اس تصور عدل کی کامل واکمل تصویر ہے۔ بعض صحابہ کرام نے آپ کو دیکھ کر صیام وصال شروع کیے۔ بعض نے عبادت وریاضت کے لیے خود کو وقف کرکے ازدواجی معاملات ترک کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرکارِ دو عالم ﷺ غضبناک ہوگئے اور فرمایا:

''تم میں میرے جیسا کون ہے، میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، میں عبادت بھی کرتا ہوں اور خانگی معاملات میں اپنے فرائض ادا کرتا ہوں''۔

اور فرمایا:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی

''ترکِ دنیا اور معاملاتِ زندگی سے راہ فرار کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا''۔

الا رھبانیۃ فی الاسلام

(القرآن ۵۷۔۲۷)

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے''۔

وہ تو دنیا کو آخرت کا ایک لازمی حصہ قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید نے روحانی اور مادی مسرتوں میں راہ وسط اختیار کرنے کی تعلیم دی

ان دونوں میں اعتدال مقصود انسانیت ہے۔

عقل وحواس میں وحی کو معیار بنایا جو ترجمان عدل الٰہی ہے۔ عقل کو نہ تو غیر مشروط معیار حق وصداقت قرار دیا اور نہ اس کے استعمال پر تالے ڈالے ہیں بلکہ اس کی حدود متعین کر کے اس کے استعمال میں اعتدال پیدا کیا۔

الغرض انسان کی انفرادی زندگی کے فکری اور عملی پہلوؤں کو حدِ اعتدال میں رکھنا تعلیمات قرآنی کا ایک خاص مقصد ہے۔ تمام اخلاق فاضلہ، خصائل حمیدہ اور سعادت کے تصورات کا لازمی جزو اعتدال ہے۔

قرآن مجید میں عائلی معاملات میں خاوند اور بیوی کے درمیان حقوق وفرائض کی حد بندی کی جو ان کی فطرت کے عین مطابق ہے، فرمایا:

ولھن مثل الذی علیھن (۲۔۲۲)

''اور عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے''۔

خاوند کو حسن سلوک اور بیوی کو حسن معاشرت کی تعلیم دی۔ ایک سے زائد بیوی کی صورت میں ان کے مابین حقوق ازدواج کی ادائیگی میں عدل کرنے پر زور دیا کہ:

ان خفتم الاتعدلو افواحدۃ

''اگر ڈرو کہ دو بیویوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو''۔

رسول اکرم ﷺ نے اس ضمن میں خود مثال قائم فرمائی اور اس شخص کے بارے میں جو ازواج میں عدل برقرار نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ وہ قیامت کے روز اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا اپنی اولاد میں بھی امتیازی سلوک کو روا نہیں رکھا گیا۔ ایک صحابی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے عرض کی میں اپنے فلاں بیٹے کو فلاں باغ وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا دوسروں (دوسرے بھائیوں) کے لیے بھی کر رہے ہو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا پھر تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ ان میں برابری قائم کرو۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

وصیت، لین دین اور معاہدات میں عدل اور حق و صداقت، معاملات کو صفائی کے ساتھ طے کرنے کی تلقین کی۔ ظلم وتعدی، بے انصافی اور حدِ اعتدال سے تجاوز کی مذمت کی۔ تجارت، ناپ تول اور وثیقہ نویسی میں عدل اور درستگی کا پورا پورا لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔

واقیموا الوزن بالقسط ولاتخسروا المیزان (۹۔۵۵)

''اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ''۔

ولیکتب بینکم کاتب بالعدل

''اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے''۔

ان معانی میں قرآن مجید کا نظریہ عدل معاشرہ کے معاملات اور معاہدات بین الافراد کی صحت وتکمیل کے لیے ناگزیر ہے۔

انسانی زندگی کا اہم پہلو جس میں عدل کے قیام اور نفاذ کی ضرورت ہوتی ہے وہ افراد کے باہمی حقوق و فرائض کے بارے میں تنازعات کو طے کرنے میں ہے۔ اس ساری کاروائی میں قاضی، گواہ، فریقین، مقدمہ اور ماہیتِ قانون خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ قانون جو عدل پر مبنی ہے۔ وہی ہے جو مرضیٔ ربّ ہے۔ امتِ مسلمہ امتِ شہادت کی حیثیت سے اس کا ہر فرد عدل کا پابند ہے۔ حق وصداقت کا برملا اظہار ایمان کا تقاضا ہے۔ کتمانِ شہادت مسلمان کی شان کے منافی ہے:

ولاتکتموا الشھادۃ (۲۔۲۸۳)

''اور گواہی نہ چھپاؤ''۔

جج یا قاضی اپنے فیصلہ میں عدل و انصاف کا ہر حال میں دامن تھامے رکھے۔ رشوت، لحاظ ومروت، دوستی ودشمنی، عزت ومنصب اور امتیازِ رنگ ونسل اور اختلافِ زبان وتعصّبات اور قربت ورشتہ داری کے تعلقات راہِ عدل سے ہرگز نہ ہٹا سکیں۔

ولاتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم (۲۔۱۸۸)

''اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو''۔

لا یجرمنکم شنان قول الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (۵۔۸)

''تم کو کسی قوم کی عداوت نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے''۔

اس ضمن میں پیغمبر عالم ﷺ، خلفائے راشدین کی زندگی سے بے شمار مثالیں پائی جا سکتی ہیں۔ فریقین مقدمہ کو صاف گوئی سے کام لینے کا حکم دیا کیونکہ یہی تقاضائے عدل ہے۔

عقوبات بھی قانون عدل کے تحت جرم کی نسبت سے نرم یا سخت ہیں۔ زنا جتنا قبیح جرم ہے اس کی سزا اتنی ہی بھیانک چوری جتنا برا فعل ہے سزا اتنی ہی عبرت ناک۔ قتل جس قدر دردناک عمل ہے، سزا اسی قدر حوصلہ شکن۔

یا ایھا الذین امنو ا کونوا قومین بالقسط شھدآء للہ ولو علیٰ انفسکم والوالدین ولاقربین ان کن غنیا او فقیرا فاللہ اولیٰ بھما۔ فلاتتبعوا الھوای ان تعدلوا (۵۔۳۸)

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ، اللہ کے لیے گواہی دے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ یا رشتہ داروں کا، جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر، بہر حال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ جا پڑو''۔

''جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ''۔ (۲۴۔۲)

''اور جو مرد یا عورت چور ہو۔ تو ان کا ہاتھ کاٹو۔ ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا''

(۵۔۳۸)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا نظریہ عدل اتنا جامع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ کائنات اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام تر معاملات اس کے اندر سمٹ آتے ہیں۔

انسان قانونِ عدل سے اغماض برت کر خواہشات نفس کی طرف جھک جاتا ہے

مسالك الحنفاء إلى مشارع الصلاة على النبي المصطفىٰ صلى الله عليه وآله وسلم

قسط 4

ترجمہ وتحقیق: علامہ آصف محمود

(۱۰)...... آیت درود پر یہ بھی سوال کیا گیا کہ جب ''صلاۃ'' دعا کے معنی میں ہے تو اس کا لفظ ''علی'' سے کیوں آیت مبارکہ ''صَلُّوْا عَلَیْہِ'' میں تعدیہ کیا گیا۔ جو معنی صلاۃ کا یہاں لیا جاتا ہے اگر ایسا ہی ہے تو یہ پھر لفظ ''علی'' کے ساتھ تعدیہ کا محل نہیں بلکہ لفظ ''اللام'' جو ''علی'' کے معنی میں اس سے تعدیہ کرنا مناسب تھا۔

الجواب

قول باری تعالیٰ میں ''صَلُّوْا عَلَیْہِ'' سے مراد قُوْلُوْا ہے یعنی یہ کہو کہ...... اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں اس کی تفسیر کی گئی کہ جب صحابہ کرام[نے عرض کی...... یارسول اللہ! ہمیں آپ پر صلاۃ کا حکم دیا گیا، پس آپ پر صلاۃ کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا...... کہو، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

یا یہ کہا گیا کہ ''صَلُّوْا'' ''تَرَحَّمُوْا'' کے معنی میں ضمناً لیا گیا۔ یا یہ کہا گیا کہ لفظ ''علی'' ''اللام'' کے معنی میں اس مقام پر استعمال ہوا یا اس کا لفظ ''الصلاۃ'' پر نظر کرتے ہوئے ''علی'' کے ساتھ تعدیہ کیا گیا۔

(۱۱)...... آیت درود پر سوال کیا گیا کہ لفظ ''اَلصَّلَاۃُ'' کو مضارع کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے ''یُصَلُّوْنَ'' ہی کیوں کہا گیا؟

الجواب

مضارع کا صیغہ معنی کے دوام اور استمرار (یعنی ہمیشہ باقی رہنے اور بار بار واقع ہونے) پر دلالت کرتا ہے، پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ ربّ العزت اور اس کے قدسی اتنی مقدار میں آپ پر درود بھیجیں کہ جن کا شمار واحصار سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی سے ممکن نہ ہو اور یہ درود دائمی وابدی ہو۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس سے انبیاء کرام میں سے سوائے سید الانبیاء علیہ التحیہ والثناء کے اور کوئی متصف نہیں۔

(۱۲)...... (آیت مبارکہ میں ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ'' پر یہ سوال کیا گیا کہ) حضرت حذیفہ سے مروی ہے، سرکار ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ ''مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ''، بلکہ یہ کہے: ''مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ''۔(۱) یعنی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے بلکہ یہ کہے جو اللہ چاہے پھر فلاں شخص چاہے۔

۱۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ (۲۱/۱)

امام خطابی نے حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ ایزدی میں آداب بجا لانے کے قرینے عطا فرمائے کہ اللہ ربّ العزت کی مشیت (یعنی ارادہ) تو تقدم حاصل ہے پھر ثم کے کلمہ کے ساتھ کسی دوسرے کے ارادہ کا ذکر ہو، کیونکہ ثم نسق وتراخی کے لیے آتا ہے۔ بخلاف واؤ کہ کیونکہ واؤ اشتراک کے لیے ہے

(مراد یہ ہے کہ ''اِنَّ اللّٰہ'' کے بعد ثم آنا چاہیے تھا جبکہ واؤ آیا ہے)

دوسری حدیث مبارکہ میں بھی اس کی مثال موجود ہے کہ ایک خطیب نے سرکار ﷺ کے پاس خطبہ دیتے ہوئے کہا......

''مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی''

''جس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ یقیناً گمراہ ہوا۔''

آپ ﷺ نے اس سے فرمایا......

''بِئْسَ الْخَطِیْبُ اَنْتَ، قُلْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ''۔(۱)

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ (الحدیث: ۸۷۰)

تو کیا ہی بُرا خطیب ہے۔ ''کہہ اور جس نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

خطابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں اسماء کو حرف کنایہ کے ساتھ جمع کرنا پسند نہیں فرمایا اس طرح کہ اس میں برابری نظر آئے، (پس سوال یہ ہے کہ) آیت مبارکہ ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ'' میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب:

اس آیت مبارکہ میں اللہ ربّ العزت نے فرشتوں کو اس شرف سے نوازا ہے (کہ وہ بھی درود پڑھیں) آیت میں ان کی مصاحبت بیان نہیں ہو رہی جس پر اعتراض وارد ہو، پس اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو خطیب ہے اس کا منصب ایسے ہے کہ جس میں پھسلنے کا امکان ہوتا ہے پس جب وہ اس جیسی عبارت بولتا ہے تو اس سے تسویہ (یعنی برابری) جیسے نقص کا وہم پیدا ہوتا ہے، بخلاف اس سے کہ جو آپ

ﷺ سے کلمات صادر ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَمَن كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

۱۔مسند ابی داؤد طیالسی (۳/۴۶۵)

(الحدیث:۲۰۷۱)

''جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سب سے بڑھ کر محبت کی''۔

پس آپ ﷺ کا منصب ایسی جلالت وعظمت رکھتا ہے جس سے اس تسویہ (یعنی برابری) کا وہم پیدا ہی نہیں ہوتا۔

اور آپ ﷺ کا کلام ایک ہی جملے اور خطیب کا کلام دو جملوں پر مشتمل ہے اور اس چیز کا بیان پہلے گزر چکا کہ علمائے علم المعانی کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ آیت مبارکہ ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ'' میں ''يُصَلُّوْنَ'' اللہ ربّ العزت اور فرشتوں دونوں کی طرف (ایک ساتھ) راجع ہے یا نہیں، بعض نے اسے جائز رکھا ہے اور بعض نے اشتراک (یعنی شرک) کی علت کے سبب اسے جائز نہیں سمجھا اور اُنہوں نے ملائکہ کو (ایک الگ) ضمیر کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور آیت کو تقدیراً یوں پڑھا ہے..... ''اِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ'' (۱۳)..... درود بھیجتے ہوئے یہ کیوں کہا جائے گا کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ'' ''اَلسَّلَامُ لَكَ'' کیوں نہیں کہا جاتا؟

الجواب

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کا معنی اللہ ربّ العزت کا حکم اور فیصلہ ہے اور اللہ کا فیصلہ بندے کے حق میں اُس پروردگار کی بادشاہت اور سلطنت جس کی سطوت اس بندے پر قائم ہے کی جہت سے ہی فائدہ دیتا ہے، اور ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ'' کے ذریعے اللہ ربّ العزت کا حکم اور فیصلہ ''اَلسَّلَامُ'' کے الفاظ کی نسبت زیادہ بلیغ و مشابہہ ہے۔

المسلک الحادی عشر/گیارہواں طریق

آیتِ درود وسلام پر احکام شرعیہ کی بحث المسلک الحادی عشر/گیارہواں طریق

المطلبُ الثانی/دوسری بحث

آپ ﷺ پر دُرود وسلام بھیجنے کے وجوب کے بیان ہیں۔

اس کے تین حصے ہیں:

پہلا حصہ:

آخری تشہد میں دُرود کے وُجوب پر روایات اور ائمہ اربعہ کے مذاہب

دوسرا حصہ:

نماز سے باہر دُرود وسلام کے وجوب، دُرود وسلام کے مقامات اور روایات کا بیان (اس کے سات مقامات ہیں)

پہلا مقام:

ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے وقت درود سلام (روایات و آثار کا بیان)

دوسرا مقام:

ہر مجلس میں صاحبِ مقامِ محمود ﷺ پر درود وسلام کا بیان

تیسرا مقام:

پوری عمر میں ایک بار صاحب حوض کوثر ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا بیان (ائمہ اربعہ کے اقوال)

چوتھا مقام:

بغیر تعینِ عدد کے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود و سلام کا بیان

پانچواں مقام:

بغیرِ تعین مقام کے سید عالم ﷺ پر درود و سلام (امام باقر کا قول)

چھٹا مقام:

بغیر تعین وقت کے امام الاولین والاخرین ﷺ پر درود وسلام کا بیان

ساتواں مقام:

رسالت مآب ﷺ پر درود و سلام کا پڑھنا مطلق مستحب ہے

تیسرا حصہ:

سلام کے وجوب اور اس کے مقامات

المطلب الثانی/دوسری بحث

آپ ﷺ کے لیے درود کے واجب اور مستحب ہونے کے بیان میں اللہ عزاسمہ کی جناب سے آپ ﷺ پر درود وسلام ہو۔ اس باب میں دو قول ہیں۔

القول الاوّل

نماز میں درود کے وجوب پر صحابہ کرام کی روایات کا بیان

جان لو کہ درود مبارک کے شریعت میں ثابت و مقرر ہونے پر کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابومسعود انصاری بدری، حضرت کعب بن عجرۃ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوحمید ساعدی، حضرت زید بن حارثہ انہیں خارجہ بھی کہا جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت بریدہ بن حصیب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوطلحہ الانصاری، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت اوس بن اوس، حضرت براء بن عازب، حضرت رویفع بن ثابت انصاری، حضرت جابر بن عبداللہ، سرکار ﷺ کے غلام ابورافع، حضرت ابوامامہ الباہلی، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود، حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف، حضرت مالک بن حویرث، حضرت عبداللہ بن جزء الزبیدی، حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت واثلہ بن جزء الزبیدی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت سعید بن عمیر الانصاری اپنے والد عمیر سے، حضرت حبان بن منقذ، حضرت حسن، حضرت حسین اور آپ کی ام محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی روایات شامل ہیں، اور یہ روایات ان مرسل وموقوف روایات کے علاوہ ہیں جو صحابہ وتابعین سے مروی ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا۔ ان میں اگرچہ ضعیف روایات بھی ہیں لیکن ان پر فضائل اور ترغیب کے باب میں عمل کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ نووی نے (شرح مسلم میں) ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس ضعف کا تعین کیا ہے کہ یہ روایات شدید ضعیف نوعیت کی نہ ہوں۔ اصل عام کے تحت درج ہوں اور ان پر عمل کرتے ہوئے ان کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

درود وسلام کے متعلق ضعیف روایات کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم (اُن روایات کی ہے) جسے کذاب اور متہم بالکذب راوی روایت کرنے میں منفرد ہوں اور (یا پھر) اُن راویوں سے روایت ہو جو فحش یا فحش غلط یا کثرت غفلت کے ساتھ مطعون ہوں۔

دوسری قسم ان گھڑی ہوئی روایات کی ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اور تیسری کے متعلق اُن کا یہ قول ہے کہ ان کے متعلق عمل کرتے ہوئے ان کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے تا کہ ان الفاظ کو آپ کی طرف نہ منسوب کیا جائے جو آپ نے ارشاد نہیں فرمائے۔

پہلی روایات پر عمل نہ کرنے کے متعلق (امام) علائی نے اتفاق نقل فرمایا ہے، اور اگلی دونوں قسم کی روایات پر عمل نہ کرنے کے متعلق ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ ان روایات پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا (البتہ) امام ابوداؤد کے نزدیک اگر اُس باب میں ان کے سوا کوئی اور روایات موجود نہیں تو ان پر عمل کیا جائے گا۔

حاصل کلام

ضعیف روایات پر عمل کرنے کے متعلق تین اقوال ہیں۔

اوّل: ان پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا۔

دوم: ان روایات پر مطلقاً عمل ہوگا اگر اس باب میں اور (صحیح) روایات موجود نہیں ہیں۔

سوم: تیسرا قول جمہور (ائمہ ومحدثین) کا ہے کہ ضعیف روایات فضائل اعمال میں قابل عمل ہوں گی جبکہ احکام میں نہیں ہوگی جیسا کہ ان کی قبولیت کی شرائط میں گزرا۔

اور رہی موضوع روایت تو ان پر کسی حال میں بھی عمل جائز نہیں۔

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے وجوب اور عدمِ وجوب پر اختلاف ہے۔ امام ابن عبدالبر نے کہا کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا ہر مومن پر فرض ہے اس پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ قول باری تعالیٰ ہے.....

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"

اختلاف اس بات پر ہے کہ یہ فرضیت نماز میں قعدہ اخیرہ میں ہے یا نماز کے باہر، اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے گا تو درود پڑھنا واجب ہوگا یا ہر مجلس میں درود پڑھنا واجب ہے جب آپ ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے گا یا درود زندگی میں ایک بار پڑھنا ہی واجب ہے یا بغیر تعین عدد کے پڑھنا واجب ہے یا پھر نماز کے اندر کسی بھی غیر معین رکن میں پڑھنا واجب ہے۔

(ان سب پر اقوال وآراء ملاحظہ فرمائیں)

نماز کے قعدہ اخیرہ میں درود کا حکم

(قسطلانی فرماتے ہیں) ہمارے امام، امام شافعی نے فرمایا کہ نماز کے اندر تشہد اخیرہ میں پڑھنا واجب ہے اور یہ نماز کی صحت (درستی) کے لیے شرط ہے۔

کتاب "الام" میں آپ کی عبارت یہ ہے:

فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ..... فَلَمْ یَكُنْ فَرْضُ الصَّلَاةِ عَلَیْهِ فِی مَوْضِعٍ اَوْلٰی مِنْهُ فِی الصَّلَاةِ، فَوَجَدْنَا الدَّلَالَةَ عَلٰی اَنَّ الصَّلَاةَ وَاجِبَةٌ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ بِذٰلِكَ ()

"اللہ ربّ العزت نے اس ارشاد مبارکہ "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ" کے ساتھ آپ ﷺ پر درود پڑھنا فرض قرار دیا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے نماز کے اندر درود پڑھنے سے زیادہ معتبر مقام کوئی نہیں ہوگا پس ہم نے اس امر سے دلیل حاصل کی کہ حالت نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے"۔

(امام شافعی بطور دلیل اپنی سند سے حدیث بیان کرتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ، ہم آپ ﷺ پر کیسے درود بھیجیں یعنی نماز میں کیسے درود پڑھیں، آپ ﷺ نے فرمایا..... تم لوگ کہو

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ.....

کعب بن عجرۃ سے روایت ہے کہ رسولِ رحمت ﷺ نماز میں یوں کہا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ" ()

امام شافعی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو نماز میں تشہد پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اور تشہد کے اندر کس طرح درود پڑھنا ہے اس کی بھی تعلیم دیتے تھے تو پھر آپ کا یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ نماز میں تشہد پڑھنا تو واجب ہے اس میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔

حضرت کعب کی حدیث میں تو نہایت صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھا کرتے تھے اور ہمیں بھی حکم ارشاد فرماتے کہ ہم آپ ﷺ کی طرح آپ ﷺ پر درود پڑھا کریں۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو فعلِ مبارک آپ ﷺ کا نماز میں تھا وہی واجب ہے سوائے اس بات کے کہ اس پر کوئی اور دلیل لا کر خاص کیا جائے۔

(ان روایات میں) ابراہیم بن محمد راوی پر اگرچہ بعض محدثین نے ضعیف کا طعن کیا ہے (لیکن) یہ بات بھی ثابت ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے جن میں امام شافعی، امام اصبہانی، امام ابن عدی اور ابن عقدہ شامل ہیں۔

(ابن قیم نے) جلاء الافہام (۲) میں فرمایا:.....

آیت مبارکہ سے اس بات پر دلیل موجود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو آپ علیہ التحیہ والثناء پر درود وسلام کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور حکم (امر) مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ قائم کی جائے، اور یہ وجوب اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ جس درود کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ کیسے پڑھیں تو فرمایا:

کہا کرو..... "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" (الحدیث)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ سلام جس کا طریقہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو سکھایا یہ وہی سلام ہے جو نماز میں تشہد کے اندر پڑھا جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ صلاۃ وسلام کا حکم اور اس کا سکھایا جانا ایک ہی مقام (یعنی نماز میں) ہے۔

۱۔ الام، للشافعی (۱/ ۱۱۷)

جلاء الافهام فی فضل الصلاة علی محمد ﷺ خیر الانام، لابن قیم (ص:۹۹)

(امام قسطلانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں) آپ ﷺ صحابہ کرام کو تشہد کا حکم ارشاد فرما کر انہیں اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی سکھایا اور اس تشہد میں آپ ﷺ پر درود وسلام کا ذکر بھی ہے، پس آپ ﷺ سے جب درود پڑھنے کا طریقہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی تعلیم دی، پھر اس صلاۃ کو جس کی تعلیم دی ہے اسے سلام سے مناسبت دیتے ہوئے اس کے ساتھ رکھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

صلاۃ وسلام حدیث مبارکہ میں موجود ہے اور نماز میں یہ دونوں یعنی صلاۃ وسلام پڑھنا (واجب) ہے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اگر آیت درود کی فرضیت نماز کے علاوہ ہے، نماز میں نہیں، تو پھر ہر درود پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ جب بھی درود پڑھے تو آپ ﷺ کے سیکھائے ہوئے اس درود کو (بھی) پڑھا کرے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" (کیوں کہ آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے)۔

اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی روایات و احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" پڑھتے اور کبھی "اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" کہتے اور اسی کی مثل کلماتِ درود پڑھتے اور وہ جو انہیں بارگاہِ خیر الانام ﷺ سے درود پڑھنا سکھایا جاتا وہ ان کلمات سے الگ ہے اور وہ وہی سلام ہے جو نماز میں (بطور) فرض پڑھا جاتا ہے۔

اس بات کی وضاحت ابن اسحاق کی روایت کرتی ہے کہ (صحابہ کرام نے پوچھا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وا لک وسلم جب ہم نماز پڑھیں تو اس میں آپ ﷺ پر کیسے درود بھیجیں (آپ ﷺ نے فرمایا..... کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ .....(۱)

۱۔ المستدرک، محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ (۱/۴۰۱) (الحدیث:۹۸۸)

اس روایت کے الفاظ کی تصحیح حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے کی ہے ان میں ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی اور حاکم ہیں۔ حاکم نے اس کی سند پر کہا ہے کہ اس روایت کی سند مسلم کی شرط پر ہے (یعنی صحیح مسلم کی روایت کے لیے مقرر شرط پر یہ روایت پوری اُترتی ہے)۔

اس تحقیق سے یہ پتا چلا کہ جس درود کے متعلق صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا یہ وہی درود ہے جو نماز والا ہے ان روایات سے تو یقیناً قرآن مجید کے حکم کے تحت ثابت درود شریف کے لیے صرف یہی مقام ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کا اشارہ ہے، باقی مقامات اس کی فرضیت سے نکل جاتے ہیں۔

اگر اس پر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ اس سلام جس کے وجوب کا ذکر (قرآن وحدیث میں) ہے وہ نماز والا ہی سلام ہے اور نفس صلاۃ سے سلام بھی مراد لیا جائے جو (قعدہ اخیرہ میں پڑھا جاتا ہے) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے تو پھر "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" اور "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ" میں فرق کس دلیل سے قائم کیا جائے گا اور تشہد میں سلام واجب ہے اور اسی طرح صلاۃ بھی واجب اور ان دونوں کو باہم جوڑنے کے لیے دلالت بھی کمزور ہے۔ اسی سبب ہم سلام اور صلاۃ کو واجب تسلیم نہیں کرتے، اور رہا یہ استدلال تو یہ تو صرف تسلیم کے بعد آپ ﷺ پر سلام کے وجوب کو مکمل کرتا ہے۔

(امام قسطلانی فرماتے ہیں) میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ اولاً یہ بات نہایت بے معنی ہے کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں خود اس کا رَد موجود ہے اور وہ ان کا یہ کہنا کہ "یارسول اللہ ﷺ یہ آپ پر "السلام" ہے جسے ہم جانتے ہیں پس آپ ﷺ پر صلاۃ کیسے بھیجیں، تو اُنہوں نے آپ ﷺ سے آیت میں حکم کیے گئے صلاۃ وسلام کی کیفیت پوچھی، نہ کہ نماز میں سلام کی کیفیت کے متعلق سوال ہوا۔

اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہم دلالت اقتران سے دلیل پیش نہیں کر رہے ہم تو صلاۃ وسلام کے حکم پر آیت قرآنی سے استدلال کر رہے ہیں اور ہم نے تو یہ بات واضح کی ہے کہ جس درود کا صحابہ کرام آپ ﷺ سے سوال کر رہے ہیں جو کہ آپ ﷺ انہیں تعلیم دے رہے ہیں اس میں درود کا تعلق نماز کے ساتھ ہے، اور رہا تیسرا اشکال پس وہ انتہائی فاسد ہے کیونکہ کتاب وسنت سے ثابت ہونے والے دلائل پر کسی کی ذاتی اختلافی رائے کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا، کسی ایسے مسئلہ میں آپ کے اختلافِ رائے کی کیا حیثیت ہوگی جس میں آپ کے مدِمقابل کے پاس ایسی قوی شرعی دلیل موجود ہو جس کے مقابل کوئی دلیل موجود نہ ہو اسے کسی دوسرے مسئلہ کے ذریعے باطل قرار دینا درست ہے؟ کیا یہ اہلِ علم کے منہج کے خلاف نہیں ہے؟ کیونکہ شرعی دلائل اختلافی اقوال کو باطل قرار دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مجتہدین کے اقوال کو ان شرعی دلائل کے مقابلے میں پیش کیا جائے اور وہ اقوال ان دلائل سے ثابت ہونے والے مسائل کو غلط ثابت کر دیں اور مجتہدین کے اقوال کو شرعی دلائل پر ترجیح دی جائے پھر یہ مذکورہ حدیث ان دونوں مسائل میں آپ کے خلاف حجت ہے کیونکہ درود وسلام کے وجوب کے اثبات کے لیے یہ حدیث دلیل ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

اور امام شافعی نے اس مسئلہ میں ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل سے موافقت فرمائی ہے البتہ آپ کا عمل دوسری روایت پر ہے۔

مروزی کی روایت میں ہے کہ ابوعبداللہ سے کہا گیا کہ اسحاق بن راھویہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے تشہد میں آپ ﷺ پر درود چھوڑ دیا تو اس کی نماز باطل ہے۔ ابوعبداللہ نے جواب دیا کہ میں یہ جرأت نہیں کرتا کہ میں یہ بات کہوں۔ یہ شاذ قول ہے۔

ابو زرعہ رازی الدمشقی نے مسائل میں رقم فرمایا: (۱) "امام احمد بن حنبل کا یہ کہنا ہے کہ میں اس مسئلہ میں خوف میں مبتلا ہوا پھر میں نے یہ واضح کیا کہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ (امام احمد) کا (۷) المسائل الفقہیۃ من کتاب الروایتین والوجہین، ابویعلی محمد بن حسین ابن الفراء، مکتبۃ المعارف، الریاض، ۱۴۰۵ھ (۱/۱۲۹)

قول یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے عدم وجوب والے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ (۱) اسحاق بن راھویہ نے بھی وجوب کے قول کی موافقت کی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز میں درود نہ پڑھا تو وہ نماز کا اعادہ کرے گا لیکن اگر کوئی بھول گیا تو اسے اعادہ لازم نہیں، صحابہ کرام میں سے بھی چند ایک کا یہی قول ہے جیسے ابو مسعود انصاری ہیں اسے "التمہید" میں ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے۔

تابعین میں سے شعبی اور ابوجعفر محمد بن الباقر کا یہی قول ہے۔ مالکیہ میں سے ابن عبدالبر اور ابن المواز نے اس قول کو اختیار کیا اور اسی پر متقدمین ومتاخرین کا عمل ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک (نماز میں تشہد اخیر کے اندر) درود شریف کے عدم وجوب کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جو نبی کریم ﷺ سے تشہد کی تعلیم کے متعلق صحابہ کرام سے مروی ہیں جیسے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایات ہیں۔ ان تمام روایات میں اُنہوں نے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا اور

بالتحقیق حضرت ابن عباس اور حضرت جابر نے کہا کہ آپ ﷺ ہمیں تشہد پڑھنا ایسے سکھاتے جیسے ہمیں قرآن حکیم کی سورتیں تعلیم فرماتے۔ (۲) قاسم بن مخیمرۃ سے روایت ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ بے شک عبداللہ بن مسعود نے میرا ہاتھ ایسے ہی پکڑا تھا جیسے میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہے، پس مجھے تشہد پڑھنا سکھایا اور یہ حدیث یہاں تک ذکر کی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور کہا کہ جب تو یہاں تک پڑھ لے تو یقیناً تو نے نماز مکمل کر لی اب اگر تو اُٹھنا چاہے تو اُٹھ جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔ (۳)

ائمہ احناف و مالکیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت ان لوگوں کی (یعنی احناف و مالکیہ کی) دلیل ہے جو تشہد اخیرہ میں آپ ﷺ پر درود کو واجب اور سنت مسنونہ تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ جس نے تشہد پڑھ لیا اس کی نماز مکمل ہو جائے گی اگر درود پڑھنا واجب یا سنت ہوتا تو آپ ﷺ اسے تشہد میں پڑھنے کا ضرور حکم دیتے۔ (۴)

آپ ﷺ نے نماز میں جلدی جلدی ارکان ادا کرنے والے صحابہ کرام کو جب ارکان اطمینان سے ادا کرنے کی تلقین فرمائی تو اس موقع پر نماز میں درود پڑھنے کی تعلیم نہ دی، اگر یہ فرائض نماز میں سے ہوتا اور اس کے بغیر نماز درست نہ ہوتی تو آپ ﷺ اسے اسی طرح پڑھنے کی تعلیم ارشاد فرماتے جیسے قرأت، رکوع و سجود

۱۔ المغنی، موفق الدین عبداللہ بن احمد، ابن قدامۃ الحنبلی، مکتبۃ القاہرہ، العربی، بیروت ۱۳۸۸ھ (۱/۳۸۹)

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الشہد فی الصلاۃ (الحدیث: ۴۰۳)

۳۔ سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، دارالکتاب العربی، بیروت، کتاب الصلاۃ، باب التشہد (الحدیث: ۹۷۲)

۴۔ التمہید، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر، وزارۃ عموم الاوقاف والشؤون، المغرب، ۱۳۸۸ھ/۱۳۸۷ھ (۱۶/۱۹۱)

اور طمانیت کی آپ ﷺ نے تعلیم دی کیونکہ فرائض تو ایسی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جو دلیل صحیح ہو اور اس دلیل کی مثل کوئی اس کے معارض و مقابل نہ ہو یا ایسے اجماع سے ثابت ہوتے ہیں جس کے قائم ہونے پر حجت قائم ہو۔

(امام قسطلانی احناف و مالکیہ کے ان دلائل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) میں ان کا جواب دیتا ہوں، ان ائمہ نے جس چیز سے استدلال کیا ہے وہ ان روایات میں صرف تشہد کے وجوب کا ذکر ہے کسی دوسری چیز کے وجوب (یعنی درود) کی نفی نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے یہ بات کسی نے بھی کہی۔

بے شک تشہد ان تمام اذکار کا نام ہے جو قعدہ اخیرہ میں ہوتے ہیں پس اسی طرح اس میں درود پڑھنا دوسری دلیل سے واجب ہے جو کہ کسی ایسی دلیل کے معارض نہیں ہے جس میں تشہد کے اندر درود پڑھنے کی تعلیم کے ترک کا بیان ہو، اور یقیناً تم لوگ درود کی نسبت سلام کو واجب قرار دیتے ہو۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے احادیث تشہد میں اس کی تعلیم نہیں دی ہے۔

اگر تم (احناف و مالکیہ) یہ کہو کہ بے شک ہم نے تو ''السلام'' کو آپ ﷺ کے اس قول مبارک سے واجب قرار دیا ہے ''تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ، وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ'' (۱)

۱۔ الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، علی بن ابی بکر المرغینانی، دارإحیاء التراث العربی، بیروت، باب صفۃ الصلاۃ، (۱/۵۴)

تمہیں یہ کہا جائے گا کہ ہم نے آپ ﷺ پر درود پڑھنا ان دلائل سے واجب کیا ہے جو چند باتوں کا تقاضا کرتے ہیں، پس اگر تشہد کا طریقہ تعلیم کرنے میں (درود کا ذکر نہ کرنا) نماز میں درود پڑھنے کو واجب نہیں کرتا تو یہ دلیل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ ﷺ پر نماز میں سلام پڑھنا بھی واجب نہیں ہے اور اگر یہ احادیث سلام کے وجوب کو ساقط نہیں کرتیں تو یہ درود کے وجوب کو بھی ساقط نہیں کرتیں اور جیسے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تشہد پڑھنا سکھایا ویسے ہی درود پڑھنا بھی سکھایا، پس نماز میں تشہد کی تعلیم سلام کو واجب کرنے پر کیسے دلالت کرتی ہے اور درود کو نہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہے؟

اگر (احناف و مالکیہ) یہ کہیں کہ وہ تشہد جو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا وہ نماز والا تشہد ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی (تشہد کے لیے) بیٹھے تو اسے چاہیے کہ کہے..... اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ

ہم (الشافعیہ) یہ جواب دیں گے کہ وہ درود جس کی آپ ﷺ نے اپنے لیے پڑھنے کی تلقین فرمائی یہ وہ نماز والا درود ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں گزرا ہے اور اسی طرح اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تشہد سکھانے والی روایات میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے وجوب کی نفی ہے تو پھر آپ ﷺ کے لیے درود بھیجنے کے دلائل جو اس وجوب پر دلالت کریں اس سے قبل کسی مقام کے لیے متعین ہونے چاہییں، کیونکہ اس کی نفی کی بنیاد اس اصول کے تحت ہوگی کہ اپنی اصل کے اعتبار سے درود (تشہد) کا حصہ نہیں ہے جب کہ اس کے وجوب کے دلائل نے اسے تشہد سے الگ کر دیا ہے لہٰذا یہ الگ کرنے کی کیفیت نفی کی کیفیت سے مقدم ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان تعارض موجود نہیں ہے، لہٰذا تشہد کے متعلق آپ نے جو دلائل نقل کیے ان کا انتہائی مقصود یہی ہے کہ ان میں کسی دوسری چیز کے وجوب کے بارے میں حکم موجود نہیں ہے اور جس دلیل میں کسی خیر کے وجوب کے بارے میں کوئی حکم نہ ہو وہ اس دلیل کے مدمقابل نہیں آ سکتی جس میں اس چیز کے وجوب کا حکم موجود ہے چنانچہ اس پہلی دلیل کو دوسری دلیل پر مقدم کیا جائے۔

اور رہا عبداللہ بن مسعود کا یہ کہنا کہ جب تو ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' کہے تو پس تیری نماز مکمل ہوگئی چاہے تو اُٹھ جا۔'' اس روایت میں آپ نے درود کا کہیں ذکر نہیں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اندراج ہے (یعنی یہ عبداللہ بن مسعود کا اپنا کلام ہے) یہ آپ کا قول نہیں ہے اور صحابہ کرام کو نماز کے آداب سکھانے والی روایت میں آپ کا درود نہ سکھانا اور خاموش رہنا نہ درود کو واجب کرتا ہے نہ وجوب کی نفی کرتا ہے۔

پس اس کا وجوب ان دلائل سے ثابت ہے جو دلائل اس (کے ثبوت کو) واجب کرتے ہیں اس کے معارض نہیں ہیں، اور اسی طرح نماز کے اہم ارکان کی طرح اس کا سکھایا جانا نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ کے مشاہدے یا بعض صحابہ کرام کے سکھائے جانے سے اس (اُمت میں) رائج رہا

ہے۔

رہا یہ قول کہ فرائض ایسی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جو صحیح ہوں اور اس کی مثل کوئی دلیل اس کے معارض نہ ہو، یا وہ اجماع سے ثابت ہوتے ہیں اس کا جواب گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی اور جو قول قاضی عیاض نے ''الشفا'' میں نقل کیا اور جیسے امام ابوجعفر الطبری اور امام طحاوی وغیرہ نے حکایت کیا کہ اُمت کے متقدمین ومتاخرین ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے اور امام شافعی کے وجوب کا قول شاذ ہے۔ اُن کے بقول اگر کسی نے یہ کہا کہ:

''جس نے تشہد اخیرہ میں سلام سے قبل نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز باطل ہے اور اگر اس سے (یعنی تشہد اخیرہ سے قبل) پڑھا تو جائز نہیں ہے۔'' تو اسلاف میں کسی نے بھی یہ قول نہیں فرمایا اور نہ اس ضمن میں کوئی ایسی سنت ہے جس کی پیروی کی جائے، اور تحقیق سے یہ بات پہنچی ہے کہ متقدمین میں سے ایک جماعت نے اس مسئلہ میں وجوب کا انکار کیا ہے اور عدم وجوب سے اختلاف کی مذمت کی ہے ان (ائمہ میں) طبری، قشیری اور چند دیگر ائمہ شامل ہیں۔ پھر اس کے بعد کہا کہ..... امام شافعی کا درود نہ پڑھنے والے کی نماز کا اعادہ واجب ہونے کا قول شاذ ہے۔ (۱)

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، للقاضی عیاض، (۱۶۲/۲)

اُنہوں نے (یہ بھی) کہا کہ امام شافعی کے اصحاب میں سے خطابی نے اس مسئلہ میں ان کے برخلاف قول فرمایا ہے۔

خطابی نے کہا..... ''درود کا نماز میں پڑھنا واجب نہیں ہے'' اور یہی قول سوائے امام شافعی کے پوری جماعتِ فقہاء کا ہے اور میں نہیں جانتا کہ ان کی مثل کوئی ایسا قول ہو۔

نماز میں درودِ مقدس کی عدم فرضیت پر دلیل امام شافعی سے قبل اسلاف کا عمل اور ان کا اس پر اجماع ہے اور علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی پر شدید تنقید کی ہے۔

ائمہ میں سے چند ایک نے (امام شافعی) کی طرف سے عدم وجوب کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس جماعتِ فقہاء کی جانب سے عدم وجوب کی اس دلیل کہ نماز میں اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل اسلاف کا عمل ہے..... یہ فرمایا.....:

(ان کے ان دلائل پر جواباً یہ) کہا جائے گا کہ ان کا استدلال یا تو لوگوں کا نماز میں عمل ہے یا استدلال اہلِ اجماع کا قول ہے کہ یہ درود (تشہد اخیرہ میں) واجب نہیں۔

اگر استدلال نماز میں عمل سے ہے تو یہ تو اس درود کے وجوب کے قائل کی قوی ترین دلیل ہے کیونکہ لوگوں نے ہمیشہ اس عمل کو اپنائے رکھا یہ عمل ایک صدی کے بعد دوسری صدی، ایک زمانے کے بعد دوسرے زمانے میں ہوتا رہا کہ ائمہ کرام نماز کے آخری تشہد میں آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہے، چاہے وہ ان لوگوں کے امام ہوں یا مقتدی، اکیلے پڑھنے والے ہوں یا جماعت کے ساتھ۔ فرض پڑھنے والے یا نفل پڑھنے والے، حتیٰ کہ اگر امام نے بغیر درود بھیجے نماز ختم کر دی اور مقتدیوں کو اس بات کا پتا چل گیا تو اُنہوں نے ان کے اس فعل کی تردید کی، پس عمل تو ہمارے لیے قوی دلیل ہوا پھر کیسے آسانی سے یہ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی سے قبل سلف صالحین کا عمل درود کے وجوب کی نفی کرتا ہے۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سلف صالحین میں سے کوئی ایک بھی نماز میں آپ ﷺ پر درود نہ پڑھتا ہوگا؟ ایسا تو ابطل الباطل ہے۔

اور رہا یہ کہ اگر ان کا استدلال اہل اجماع کے قول سے ہے کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں پس اس کو عملی طور پر نہیں کہا جا سکتا (کیونکہ) انہیں اہلِ اجماع نہیں کہا جاتا یہ مذہب تو صرف مالک، ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا ہے، البتہ کثیر اہل علم، صحابہ کرام، تابعین اور اہل مذہب کا ان کے برخلاف یہ قول رہا ہے تو پھر اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع مسلمین کے قول کی کیا حیثیت ہے؟ اور سلف صالحین اور ان میں افاضل امت کا عمل کس طرف ہے؟

اور یہ کہنا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں (امام شافعی) پر تنقید کی ہے، تو اس مسئلہ میں ان کی مذمت کہاں ہے، کیا یہ ان کے مذہب کا حسن نہیں ہے، کون سی کتاب ان کی مخالفت میں لکھی گئی (اس قول کے خلاف) کون سا اجماع ہے، پس کوئی اجماع ان کو نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ کوئی نص ان کے قول کی مخالفت میں ہے تو پھر کس وجہ سے ان کی مذمت ہو، کیا اس کی مذمت نہ کی جائے جس نے ان پر تنقید کی ہے اور (یقیناً) حق اُن کے ساتھ ہے۔

اور یہ اعتراض کہ امام شافعی کا اس باب میں قول شاذ ہے، اس اعتراض پر جواباً عرض ہے کہ امام احمد بن حنبل اور ان کی جماعت کا امام شافعی کے ساتھ متحد ہونے کا بیان پہلے گزر چکا ہے، اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ امام شافعی کا قول شاذ ہے (کیونکہ) اس بات میں شک نہیں ہے کہ کسی مجتہد کا کسی اجتہادی مسئلہ میں انفرادی قول شاذ قول نہیں ہوتا (یعنی اس کی رائے کی بھی ایک محکم حیثیت ہوتی ہے) اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اسلاف میں سے (وجوب صلوٰۃ) کا قول کسی نے بھی اختیار نہیں فرمایا کیونکہ جب یہ طے ہو گیا کہ یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو صحابی کا قول محلِ اجتہاد کے باب میں حجت نہیں ہوتا تو کسی دوسرے کا قول کیسے حجت ہوگا، پس اسلاف میں سے اس اجتہاد کے اندر کسی دوسرے کی ضرورت باقی نہیں۔

اور ان کا یہ قول کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں مبالغہ کیا ہے! اس پر یہ کہا جائے گا کہ وجوب صلاۃ سے انکار کا یہ قول درست قول کے منافی ہے اور وجوب صلاۃ کے قول کے منافی رائے کیسے دی جا سکتی ہے کیونکہ یہ عبارت قرآن حکیم میں وارد عبارات سے بڑی ہے اور ایمان کا رُکن ہے اور یہ ایمان کے لیے لازم ہے اور یہ رسالت کے لیے گواہی ہے۔

اور معترضین کا یہ کہنا کہ وجوب صلاۃ کے قول میں (امام شافعی کا کوئی ہم مثل ایسا نہیں جو یہ رائے رکھتا ہو)، اس پر یہ کہا جائے گا کہ امام شافعی ایسی ہستی ہیں جن کی پیروی خود کی جاتی ہے اور فقہ میں آپ مقامِ اجتہاد پر فائز ہیں، اور آپ کو اس باب میں کسی دوسرے کی تائید کی حاجت نہیں ہے، اور اگر ان کے ساتھ اجتہاد کی موافقت کا ارادہ کیا گیا ہے تو گذشتہ اوراق میں ان لوگوں کا ذکر گزر چکا ہے جنہوں نے وجوب صلاۃ کے قول میں ان کی موافقت کی ہے۔

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است
ما امینیم ایں متاعِ مصطفےٰ است

سید ریاض حسین شاہ

حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی ؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''تم اسلام کو اس حقیقت تک پہنچاؤ کہ ایمان تک رسائی حاصل ہوجائے ایمان کی حقیقت کو پاؤ تا کہ یقین تک جا پہنچو اس طرح تم وہ کچھ دیکھو گے جو تم نے پہلے نہ دیکھا تھا یقین صورت اشیاء کی حقیقت یوں کھولتا ہے کہ اطلاعی باتیں مشاہداتی لذت دینے لگ جاتی ہیں۔۔۔۔۔''

حضرت لالہ جی علیہ الرحمتہ کی ساری زندگی پختگی ایمان اور استحکام یقین کے گرداگرد گھومتی رہی۔ایک مرتبہ ویسٹرج ۲۴ پنجاب کی جامع مسجد میں آپ تشریف فرما تھے، سردیوں کا موسم تھا،دھوپ قاسم راحت بنی ہوئی تھی۔ایک شخص حضرت کی بیعت کرنے کے لیے آیا لیکن بیعت سے پہلے اس نے سوال کیا کہ ''فقر کیا چیز ہے؟'' آپ نے ارشاد فرمایا صحیح جواب تو علماء ہی دے سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک فقر رسول اکرم ﷺ کی طرزِ زیست کا نام ہے، یہ نہ باجا و سنگیت ہے اور نہ ہی یہ نے ورباب ہے۔فقر بدن کی مفلسی ہے، ذہن کا غنا ہے اور دل کی زندگی ہے پھر آپ نے فرمایا مجھے کچھ معلوم نہیں فقر کیا ہے؟ میں صرف اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنا فقر جانتا ہوں اور دل کو اللہ کے ذکر میں مست بنائے رکھنا میرے پیرومرشد کا تلقین کیا ہوا وظیفہ ہے۔گویا آپ نے فرمایا:

فقر چیست اے بندگانِ آب و گل
یک نگاہِ راہ بیں ، یک زندہ دل

حضرت سیدی غوث الاعظم ؓ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے فقر سے اتنی ہی محبت رکھتا ہے جتنی دولت مند اپنی دولت سے محبت رکھتا ہے۔حضرت لالہ جی علیہ الرحمتہ نے ساری زندگی تنگ دستی میں گزاری۔اوائل عمر میں بکریاں بھی پالیں اور کتنے کتنے دن تک محض بکریوں کے دودھ ہی پر قناعت کی لیکن عسرت کو اللہ جل مجدہٗ کی معرفت کی دہلیز تصور کیا۔کبھی نامساعد حالات کا شکوہ زبان پر نہ لائے بلکہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے دعا کی ''میرے رب! مجھے اپنے عشق سے نواز'' ۔۔۔۔۔ہاتف کی ندا آئی کہ ''مصیبتوں اور تکلیفوں کے لیے تیار ہوجاؤ'' اس لیے کہ جو عشق کی راحت پانا چاہتا ہو اسے مصائب کے کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

عصر اور مغرب کی نماز اسی مسجد میں ادا فرمائی۔ بعد ازاں ایک صوبے دار صاحب عبداللہ کے گھر تشریف لے گئے،کھانا تناول فرمایا،محفل ذکر ہوئی۔ دفعتہً آپ کی نظر صوبیدار صاحب کے کندھے پر جا پڑی جہاں سے ان کی قمیض پھٹی ہوئی تھی۔آپ آب دیدہ ہوگئے اور فرمایا یہ حالت اللہ جل مجدہ کو بہت محبوب ہے۔غربت نور الٰہی کی اساس ہے اور دولت غفلت کے اندھیرے ہیں،دیکھتے نہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عیش و آرائش کی روش حیات پسند نہ فرمائی اور فقیرانہ زندگی سے محبت رکھی۔''یاد رکھو۔۔۔۔۔جس کو پھٹے پرانے کپڑے پہن کر سر بازار چلنا آ گیا اس نے گویا اپنے نفس کو پارہ پارہ کرلیا ایسا فقر ہی باعث افتخار ہے اور اسی کو رسول اللہ ﷺ نے باعث فخر قرار دیا۔۔۔۔۔''

سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شان امارت میں
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

صبح ہوئی آپ نے مسجد میں باجماعت نماز ادا فرمائی،سورج کی ابھرتی کرنوں میں آپ ٹانگے پر سوار ہوئے۔پچھلی نشست پر آپ تشریف فرما تھے۔زوردار آواز سے ایک سید شکستہ حال کو مخاطب فرمایا: ''ذکر کی محفل ترک نہ کرنا یہ عروج کا زینہ ہے۔شیطانی حملوں سے بچنے کی ڈھال ہے اور آخرت کا بہترین سرمایہ ہے''۔دیکھنے والے دیکھ رہے تھے دور تک ایک تصویر آنکھوں میں رنگ وراحت کی روشنیاں بکھیرتی رہی۔ جونہی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز مدھم پڑی ساتھ ہی وہ حسن وتقویٰ کی تصویر بھی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

افکار کے بھنور میں میری فکر کے ناخدا۔۔۔۔۔!
میرے دل کے دل۔۔۔۔۔!
میرے رازوں کے نگہبان۔۔۔۔۔!
میرے امور دین ودنیا کی حیات۔۔۔۔۔!
تجھے کہاں ڈھونڈوں۔۔۔۔۔!

اب ''معرفت باری'' کے پیاسوں کو چشمہ حیواں تک کون پہنچائے گا۔جانے والے تو خود گواہ رہنا ہم نے اپنے شنیدہ اور نادیدہ دوست کی رضا کے لیے تیری راہوں کی خاک اور تیری دہلیز کی مٹی کو سرمۂ چشم بنایا ہے۔

التجا نظر کرم کی۔۔۔۔۔!

ماہ ذیقعدہ کی فضیلت وبرکات

ذیشان کلیم معصومی

اسلامی سال کا گیارھواں مہینہ ذیقعدہ ہے۔ یہ بڑا مبارک اور حرمت والا پہلا مہینہ ہے جس میں جنگ وقتال حرام ہے۔اس ماہ میں عرب جنگ کو ترک کردیتے تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قعود سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ بھی بیٹھنے کے ہیں اسی لیے عرب کے لوگ اس مہینے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے اس لیے اس ماہ کا نام بھی ذیقعدہ رکھا گیا۔

اللہ نے سال کے بارہ ماہ میں سے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیا ان میں سے پہلا یہ ماہ مقدس ہے۔ اس مہینے کے خصائص میں ہے کہ حضور پاک ﷺ کے تمام عمرے اس ماہ میں ادا ہوئے سوائے اُس عمرے کے جو آپ کے حج سے ملا ہوا تھا۔ پھر بھی آپ نے اس عمرہ کا احرام ذی قعدہ میں باندھا تھا لیکن اس عمرے کی ادائیگی آپ نے ماہ ذی الحجہ میں اپنے حج کے ساتھ کی تھی اور حضور پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں چار عمرے کیے ہیں سب سے پہلا عمرہ ''عمرہ حدیبیہ'' کہلاتا ہے جو پورا نہ ہوسکا تھا اور آپ حدیبیہ کے مقام پر حلال ہوکر واپس تشریف لے آئے تھے۔ پھر آپ نے اس عمرے کی قضا اگلے سال فرمائی (یہ آپ کا دوسرا عمرہ کہلایا)۔تیسرا عمرہ ''عمرہ ہجرانہ'' کہلایا جو آپ نے فتح مکہ کے موقع پر ادا فرمایا جس وقت حنین کی غنیمتیں تقسیم ہوئی تھیں۔بعض لوگوں کے مطابق یہ شوال کے آخر میں ہوا تھا لیکن مشہور قول یہی ہے کہ یہ ذی قعدہ میں ادا ہوا تھا اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور چوتھا اور آخری عمرہ حجتہ الوداع کے موقع پر ہوا۔اسلاف کی ایک جماعت جن میں ابن عمر، سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور عطا رضی اللہ عنہم شامل ہیں روایت کرتے ہیں کہ شوال اور ذی قعدہ کا عمرہ رمضان کے مہینے پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اللہ کے محبوب پاک ﷺ نے اس ماہ ذیقعدہ میں عمرے ادا فرمائے تھے جبکہ حج کے مہینوں میں فضیلت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ حاجی پر اپنے حج کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے اور ھدی قربانی کا جانور ایسی چیز ہے جو مناسک حج میں ایک منسک ہے تو حج میں منسک عمرہ اور منسک ھدی دونوں جمع ہوجاتے ہیں۔

اس ماہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہی وہ تیس دن تھے جن کا وعدہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذیقعدہ کا مہینہ بہت بزرگی والا ہے اس ماہ کی عبادت بہت افضل ہے۔اس ماہ کی پہلی رات کو تیس رکعت نماز نفل دو دو رکعت کرکے اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ سورۂ زلزال پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد ایک مرتبہ سورۂ نباء یعنی عم یتساء لون پڑھے اس کے علاوہ جو کوئی اس ماہ کی پہلی شب نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل نماز دو دو رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تیس تیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، نماز کے بعد نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور خلوص دل سے توبہ کرے تو انشاء اللہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا اور اس کو معاف بھی فرمادے گا اخلاص نیت شرط ہے اور جو کوئی اس مبارک مہینے کسی بھی دن نفلی روزہ رکھے گا تو بفضل خدا اسے عمرے کا ثواب عطا ہوگا اور کوئی سوموار کو روزہ رکھے تو اس کو اجر عظیم حاصل ہوگا کیونکہ میرے رسول پاک ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھ کر اپنا میلاد خود منایا کرتے تھے۔

اس ماہ کے ہر جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ چار رکعت نفل نماز دو دو رکعت کرکے اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اکیس بار سورۂ اخلاص پڑھیں تو اللہ حج وعمرہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔اس ماہ کی ہر شب کو نماز عشاء کے بعد دو رکعت نفل نماز اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں اور نماز کے بعد اللہ سے دعا مانگیں انشاء اللہ ہر رات عمرہ کی عبادت کا ثواب ملے گا اور جو کوئی چاہے کہ بارگاہ الٰہی میں اس کا درجہ بلند ہو جائے اور اللہ اس پر اپنا خصوصی کرم فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ ذیقعدہ کے مہینہ کی نو تاریخ کی رات بعد عشاء دو رکعت نفل اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ایک مرتبہ سورۂ مزمل پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد تین مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھے۔

اس ماہ جو کوئی جمعرات کی رات سو رکعت نفل نماز دو دو رکعت کرکے اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو بفضل خدا اسے عظیم ثواب عطا ہوگا۔اسی طرح ہر ماہ کے ایام بیض یعنی قمری ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنا تمام عمر کے روزے رکھنے کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص اس ماہ ذیقعدہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے تو اسے اللہ ہر ساعت میں ایک مقبول حج اور ایک غلام آزاد کرنے کا اجر عطا فرماتا ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ اس مہینے میں ایک ساعت کی عبادت ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے، اور فرمایا اس ماہ میں پیر کے دن روزہ رکھنے کا ثواب ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے جو کوئی اس ماہ کے آخری دن کو چاشت کے وقت دو رکعت نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین سو مرتبہ سورۃ القدر پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد گیارہ بار یہ درود پاک پڑھے:

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلی ال سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم و اصحابہ و بارك وسلم

اس کے بعد پندرہ بار سورۂ فاتحہ پڑھے اور سجدے میں جاکر اللہ سے جو بھی دعا مانگے گا انشاء اللہ قبول ہوگی اللہ ان مقدس حرمت والے ایام کی قدر کرنے اور اس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

رہبر کی ضرورت

آصف بلال آصف

وہ تمام لوگ جن سے معاشرے کو فائدہ ملتا ہے۔ماضی میں ان کی زندگی میں کہیں نہ کہیں کوئی انسپائریشن ضرور ہوتی ہے۔۔۔وہ انسپائریشن چاہے استاد کی ہو، چاہے والد کی ہو یا کسی اور شخص کی ہو۔۔۔ان پر ہدایت یافتہ آدمی کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔۔۔زندگی کے مختلف ادوار میں آدمی مختلف افراد سے متاثر ہوسکتا ہے۔۔۔لیکن وہ لوگ جن کا کوئی استاد نہیں ہوتا۔۔۔کوئی مرشد نہیں ہوتا۔۔۔ایسے لوگ بے فیض ہوتے ہیں۔ دراصل ان کی زندگی میں کوئی انسپائریشن نہیں ہوتی۔

مقولہ مشہور ہے کہ "جس کا کوئی استاد نہیں ہوتا اس کا استاد شیطان ہوتا ہے"۔۔۔

بے استادے لوگ نہ کسی سے متاثر ہوئے ہوتے ہیں اور نہ کوئی ان سے متاثر ہوتا ہے۔۔۔میرے تجربے کے مطابق بن مرشد لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنی زندگی میں یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتی کہ کیا درست ہے اور کیا غلط ہے۔۔۔اور بعض لوگوں کو تو طویل زندگی گزارنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ غلط راستے پر ہیں۔۔۔لیکن پھر بھی وہ کوئی مثبت فیصلہ نہیں کر پاتے۔۔۔اور یہ بات بڑی خطرناک ہے کہ آدمی کی قوتِ فیصلہ زنگ آلود ہو جائے۔۔۔ اگر آدمی اپنی زندگی میں کسی کو اپنا مرشد اور استاد بنالے تو زندگی سے یہ خطرہ ٹل سکتا ہے۔۔۔وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں مناسب عمر اور مناسب وقت میں مثبت انسپائریشن مل جائے۔۔۔انسان جس سے متاثر ہوتا ہے اس سے محبت بھی کرتا ہے۔۔۔اور اس کی بات بھی مانتا ہے۔۔۔اور پھر اس جیسا بننے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

شیطانی ترغیبات انسان کو بھٹکا دیتی ہیں اور وہ اپنی زندگی میں مرشد کے نہ ہونے کی کمی محسوس ہی نہیں کر پاتا۔۔۔اور اس طرح ایک بڑا انسانی گروہ صراطِ مستقیم پہ آ ہی نہیں پاتا۔۔۔اور اس طرح جب نفسانی خواہشات اور لذتیں انسان کو گمراہی کی دلدل میں لا پھینکتی ہیں تو پھر وہ دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔۔۔وہاں سے اس کا نکلنا مشکل ہی نہیں محال ہو جاتا ہے۔۔۔کیونکہ اس طرح اس پر لالچ کا دروازہ کھل جاتا ہے، جو پھر آسانی سے بند نہیں ہوتا۔۔۔اور انسان کا دل مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔ جیسے بغض۔۔۔عداوت۔۔۔حرص۔۔۔جھوٹ ۔۔۔ شہوت۔۔۔بداخلاقی۔۔۔وغیرہ وغیرہ

اب جس طرح جسمانی بیماریوں کے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔۔۔جن کی تشخیص اور دوائی سے نزلہ، زکام، بخار وغیرہ کا آرام آجاتا ہے۔۔۔اسی طرح روحانی بیماریوں کے بھی معالج ہوتے ہیں۔۔۔جن کو اہل اللہ اولیاء کرام کہا جاتا ہے۔۔۔جب انسان ان میں سے کسی صاحبِ نظر کی بیعت کر لیتا ہے تو فیض یافتہ ہو جاتا ہے۔

مرشد وہ صاحب تصرف فقیر ہوتا ہے۔۔۔جو مردہ قلب کو زندہ کر دیتا ہے اور زندہ نفس کو مار دیتا ہے۔۔۔ مرشد اس سنگِ پارس کی مثال ہوتا ہے جو لوہے کو چھو جائے تو سونا بنا دیتا ہے۔۔۔مرشد کسوٹی کی مثل ہوتا ہے۔۔۔جس کی نظر آفتاب کی طرح فیض بخش ہوتی ہے۔۔۔جو طالب کے وجود سے نقائص مٹا دیتی ہے۔۔۔نگاہِ ولی کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ جس پر پڑ جائے اسکے ظاہر اور باطن میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

انسان جب شعوری یا لاشعوری طور پر اپنا رول ماڈل طے کر لیتا ہے، تو پھر اس کے لیے ہدایت کی جست لگانا آسان ہو جاتا ہے۔۔۔

ہدایت ایک لمبا اور کٹھن راستہ ہے۔۔۔اس کو حاصل کرنے کے لیے بڑے دشت طے کرنے پڑتے ہیں۔۔ لیکن اس کا ایک شارٹ کٹ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ کسی فیض یافتہ شخصیت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لے۔

ہمارے ہاں بیعت ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔۔۔ حضرت واصف علی واصف فرماتے ہیں کہ ہاتھ کی بیعت کوئی بیعت نہیں بیعت تو دل کی ہوتی ہے۔۔۔اور دل کی بیعت یہ ہے کہ انسان اندر سے بدل جائے۔۔۔اور اصل بیعت ہی اندر کا بدلنا ہے۔۔۔بیعت کے بعد انسان جیسے جیسے اپنے مرشد سے انسپائریشن لیتا جاتا ہے وہ اندر سے بدلتا جاتا ہے۔۔۔انسپائریشن دراصل خیال کی تبدیلی ہے۔۔۔یعنی اندر کی دنیا کی تبدیلی اور جب اندر تبدیلی اترنا شروع ہوتی ہے تو انسان کے حال میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ بیعت کے ساتھ ہی حلیہ بدل لیتے ہیں لیکن خیال میں تبدیلی نہیں لاتے۔۔۔یہی وجہ ہے کہ ان کی بیعت ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے اور ان کا دل پاک نہیں ہوتا۔۔۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محترم وہ ہوتا ہے جو دل کا صاف ہوتا ہے۔۔۔اور انسپائریشن کا کمال یہ ہوتا ہے کہ یہ بندے کو اندر سے صاف کر دیتی ہے۔

بعض اوقات اس بات کا ادراک ہی نہیں ہوتا کہ کسی راہبر و رہنما کی ضرورت ہے۔۔۔لیکن اگر اللہ مہربان ہو جائے تو وہ ایسا رہبر۔۔۔ایسا پیر کامل عطا کر دیتا ہے کہ پوری کائنات ہی بدلی بدلی سی لگنے لگ جاتی ہے۔

بعض اوقات ماں کی دعا ہوتی ہے اور ایک اچھا استاد مل جاتا ہے یا باپ کا کوئی نیک عمل ہوتا ہے تو رہبر کامل تک رسائی ہو جاتی ہے۔۔۔پیر کامل کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان ان کا بوجھ محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا اپنا بوجھ بھی انہوں نے اٹھا لیا ہے۔۔۔وہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میرا مرشد خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔۔۔وہ اپنے مرشد کی باتوں کو عقل سے پرکھنا چھوڑ دیتا ہے بلکہ دل اور عشق کے حوالے کر دیتا ہے۔

ہم روز نماز میں یہ آیت پڑھتے ہیں۔۔۔کہ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔۔۔میں یہ سوچتا ہوں کہ ہماری زندگی میں کوئی ایک مثال تو ایسی ہونی چاہیے۔۔۔کوئی ایک شخصیت تو اس آیت کے مصداق ہونی چاہیے۔۔۔اگر مثال نہیں ہے تو پھر یہ زندگی کا بہت بڑا المیہ ہے۔۔۔ کیونکہ آدمی جیسا جینا چاہ رہا ہے ویسی مثال کا سامنے ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔ایک ایسا پاکیزہ اور انعام یافتہ انسان کہ جس کے علم کے سامنے اپنا علم مکھی کے سر کے برابر بھی نہ لگے۔۔۔کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا فرد ہے۔۔۔؟ اگر نہیں ہے تو تلاش کیجیے۔۔۔آپ کے بہت سے راستے آسان ہو جائیں گے اور مختصر بھی۔۔۔اپنے اندر طلب پیدا کیجئے۔۔۔جو آدمی

طلبگار نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ بھی اسے انعام نہیں دیتا۔

انسپائریشن ان لوگوں میں کم ہوتی ہے جن کے دل سخت ہوتے ہیں۔۔۔دل کا سخت انسان کسی سے متاثر نہیں ہوتا، وہ اپنی عقل کو عقلِ کُل سمجھتا ہے۔۔۔وہ سمجھتا ہے کہ مجھ میں بہتری کی گنجائش نہیں ہے۔۔۔ایسے آدمی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔۔۔اس کی آنکھ ہوتی ہے مگر وہ دیکھ نہیں پاتا۔۔۔پاؤں اٹھتے ہیں مگر غلط راستے پر۔۔۔کوئی کیل پانی پر تیر نہیں سکتا مگر یہی کیل اگر لکڑی کے تختے میں لگا دیا جائے تو تیرنے لگ جاتا ہے۔۔۔انسان بھی دوسروں کا محتاج ہے اس کو بھی تیرنے کے لیے کسی تختے کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔اور مرشد یا استاد اس تختے کا کام کرتا ہے۔۔۔

یقین والا ترقی کر جاتا ہے۔۔۔اور جس کو یقین کی دولت نہیں ملتی وہ فلسفے کی دلدل میں اتر کر پاتال کی گہرائیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔۔۔

یقین کا مطلب اپنے مرشد پر یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عطا پر یقین ہے۔۔۔سچا طالب روتا ہے اور کہتا ہے کہ مالک میری زندگی میں کوئی اچھا بندہ داخل کر دے۔۔۔لیکن مرشد کی یہ طلب دنیا کے لیے نہیں ہونی چاہیے بلکہ اپنی ذات کی بہتری کے لیے ہونی چاہیے۔۔۔مرشد اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ہونا چاہیے۔۔۔مرشد وہ ہے جو رسول اکرم ﷺ کی محبت دل میں روشن کر دے۔۔۔جو آلِ نبی ﷺ کی محبت سے آشنا کر دے۔۔۔

رب کریم کا کروڑوں بار شکر ہے کہ جس نے مجھ جیسے نکمے اور عاجز کو پیر کامل سید ریاض حسین شاہ صاحب کے قدموں میں بٹھا دیا ہے۔۔۔میں اس کرم پر اپنی بہتی آنکھوں اور لرزتے کانپتے دل کے ساتھ اپنے مرشد کریم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھ گنہگار کو اپنی محبتوں سے نواز دیا ہے۔۔۔میرے مرشد کریم کا روحانی فیض بہتے دریا کی طرح ہے کہ لاکھوں انسان اپنی روحانی پیاس جس سے بجھا رہے ہیں۔۔۔آپ کی شفا بانٹتی آنکھوں میں ایسی مسیحائی ہے کہ دیوانے قرار دل و جاں پا رہے ہیں۔۔۔آپ کے برق آمیز قرآنی خطابات اور شہد آفرین لہجہ۔۔۔کروڑوں انسانوں کو صراطِ مستقیم سے آشنا کروا رہا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مرشد پاک کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔۔۔آمین یارب العالمین۔

❁❁❁

بقیہ: ''حکمت قرآن''

سوال نمبر 6

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''۔اگر کوئی شخص معلم بھی نہ ہو اور متعلم بھی نہ ہو تو وہ قرآن حکیم کی کس طرح خدمت کر سکتا ہے؟

جواب

وہ فرشتہ جو حضور ﷺ تک قرآن لے کر آتا تھا نہ وہ متعلم تھا اور نہ ہی وہ معلم تھا۔وہ خدا کا پیغام حضور ﷺ تک پہنچانے کے لیے معمور تھا۔ایسا شخص جو قرآن پڑھ نہیں سکتا اسے چاہیے کہ وہ قرآن کے نسخوں کو دوسروں تک پہنچائے۔وہ مدارس اور دینی مراکز جہاں قرآن پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے ان کی معاونت کر کے بھی خدمتِ قرآن کر سکتا ہے۔

سوال نمبر 7

سورۃ الفاتحہ میں حضور ﷺ کی سیرت کا ایک پہلو ہے۔اس پر روشنی ڈالیے؟

جواب

سورۃ الفاتحہ کے جو ابتدائی کلمات ہیں، علماء کی زبان میں انہیں نظم سے تعبیر کیا جاتا ہے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں جو اسماء ہیں، انہی اسماء کا تکرار ''سورۃ الفاتحہ'' کی ابتدائی آیات میں ہوتا ہے۔

بسم اللہ میں اللہ (اسم نور) الرحمن (رحمتوں والا رب) الرحیم (مہربان رب)

الحمد للہ رب العالمین ۔الرحمن الرحیم۔مالک یوم الدین۔

سورۃ الفاتحہ میں پہلے "حمد" کا ذکر ہوا۔جب میں حضور ﷺ کی سیرت اور اسوہ کا تصور کرتا ہوں تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جہاں ''حمد'' ہوگی وہاں محمود ﷺ بھی ہوگا اور احمد ﷺ بھی ہوگا۔

پہلا حوالہ اس کا یہ ہے کہ انسان جس وقت اللہ تعالیٰ کی ''حمد'' بیان کرتا ہے تو اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کو متشخص دیکھنا چاہتا ہے کہ میرا محبوب میرے سامنے آئے۔میں اس کا چہرہ دیکھوں، میں اس کی زلفیں دیکھوں، میں اس کی آنکھیں دیکھوں، میں اس کا رنگ دیکھوں اور میں اس کی نگاہوں کی نرگسیّت دیکھوں۔اللہ تعالیٰ تو ''وحدہ لاشریک'' ہے اس کا تو کوئی متشخص نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کے لیے کسی جمال کی تصویر دیکھنے کی تڑپ پیدا ہو جائے تو پھر سیرت کی طرف جانا ہوگا۔بندہ جس وقت کہتا ہے: ''الحمد'' تو رب کریم فرماتا ہے: ''مجھے تو دیکھ نہیں سکتے تو میرے محمد ﷺ کو دیکھ لو''۔

گویا سورۃ الفاتحہ کے بالکل آغاز میں ہی قاریٔ قرآن کی ملاقات حضور رسالت مآب ﷺ سے ہو جاتی ہے۔

جان سال John Saul (انگریزی زبان میں قرآن پاک کا پہلا مترجم) لکھتا ہے کہ:

''جب میں سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہوں تو آغاز میں ہی میری ملاقات حضور ﷺ سے ہو جاتی ہے اور جس شخص کی ملاقات حضور ﷺ سے ہو جائے وہ آدمی ان کے حسن کے دائرے سے نکل نہیں سکتا''۔

سورۃ الفاتحہ میں حضور ﷺ کی شخصیت کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

دوسری چیز (الرحمن۔الرحیم) ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بہت زیادہ مہربانی فرمانے والا اور رحمت نواز ہے۔یہاں سے قاریٔ قرآن میں یہ تجسس پیدا ہوتا ہے کہ میں اس کی رحمت کی خوشبو سونگھوں۔بلاشبہ اس کا اپنا وجود، کائناتِ حسن اور حسنِ کائنات، سب کچھ موضوع بن کر اس کے سامنے آجاتا ہے۔اس میں بھی اگر وہ مجسم رحمتوں کا مشاہدہ کرنا چاہے تو قرآن کہتا ہے:

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

(سورۃ الانبیاء)

اس طرح الرحمن، الرحیم میں رحمۃ للعالمین کی سیرت پڑھنے کا شوق بھی انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ''مالک یوم الدین'' ہے کہ ''وہ دین کا مالک بھی ہے'' یہاں پہنچ کر بندہ یہ سوچتا ہے کہ میں ''مالکِ دین'' کو کیسے سمجھوں؟ حالاں کہ یہاں ''دین'' قیامت کے معنوں میں ہے لیکن اگر اسے ''دین'' ہی خیال کیا جائے تو یہ حدیث شریف ذہن میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذَاقَ طَعْمَ الإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَبِالإِسْلاَمِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔

''ایمان کا ذائقہ اس کو ملتا ہے جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا، محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا''۔

❁❁❁

صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن

قرآن پاک کے نہایت مؤثر پیغامات

ماسٹر احسان الٰہی قصور

قسط:22

43۔ اکثریت سچ کی کسوٹی نہیں:

”فرمادو! ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے اور کیوں نہ ناپاکوں کی کثرت تجھے تعجب میں ڈال دے سو اللہ سے ڈرو اے عقل والو! تاکہ تم کامیابیوں سے ہمکنار کیے جاؤ“۔

(المائدہ:100)

الخبیث طیب کی ضد ہے۔ لفظ کا اساسی معنیٰ گندے، گھناؤنے اور مکروہ کے ہیں خواہ وہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہو یا کلام اور افعال میں ہو۔ عقائد اور خیالات میں بھی گندگی ہوتی ہے۔ ناپسندیدہ، ناگوار اور مکار آدمی بھی خبیث ہوتا ہے۔ یہ لفظ بدکاری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ طیب وہ چیز ہوتی ہے جس میں انسانی حواس اور نفس لذت یاب ہوں۔ روح لطافت محسوس کرے۔ طیبین وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکیزہ باتیں کریں۔ قرآن مجید نے یہاں ایک بنیادی قاعدہ بیان کر دیا۔ پاک اور ناپاک لوگ کسی صورت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ لوگوں کی اکثریت گندے کاموں میں آلودہ ہو۔

(تبصرہ سے ماخوذ)

یزید اور اس کے پیروکار خبیثین میں سے تھے اور وہ اکثریت میں تھے۔ جبکہ امام عالی مقام اور ان کے اطاعت گزار طیبین میں سے تھے اور وہ قلیل تھے۔ لیکن طیبین کے نام کا پھریرا فرش و عرش پر رہتی دنیا تک لہراتا رہے گا اور آخرت کی فلاح اور اعلیٰ وارفع مقام انہی کے حصہ میں آیا لیکن یزید اور ان کے نام لیوا رہتی دنیا تک ذلت و رسوائی اور لعنت کا استعارہ بن گئے اور آخرت میں دردناک عذاب ان کا مقدر ٹھہرا۔

44۔ صحیح راستہ پر رہو:

”اور بلاشبہ میرا راستہ ہی سیدھا ہے تو اس پر چلو اور ان راہوں پر نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے تمہیں اسی کی نصیحت کرتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ“۔

(الانعام:153)

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ میرا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ توحید کا راستہ، حق کا راستہ اور عدل کا راستہ سیدھی راہ کی ہی تاکیدات ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ اس راہ پر چلو۔ بکھری ہوئی راہوں پر خود کو پراگندہ نہ کرو۔ خصوصی طور پر قابلِ ملاحظہ یہ چیز ہے کہ ”افتراق“ تباہ اور پراگندہ کر دینے والی چیز ہے۔

(تبصرہ)

45۔ جرائم کی سزا دے کر مثال قائم کرو۔

”اور چور مرد اور چور عورت ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کی کمائی کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزائے عبرت اور اللہ غالب حکمت والا ہے“۔

(المائدہ:38)

قرآن مجید ایک جامع مکمل اور ادق نظام دیتا ہے۔ ایسا نظام جو انسان شناسی سے ابھرتا ہے اور خدا شناسی تک جا پہنچتا ہے۔ یہاں جان کے تحفظ کے لیے قصاص کا قانون موجود ہے، یوں ہی اموال کا تحفظ بھی اس نظام کا حصہ ہے۔ مالِ مسلم کی حفاظت جان مسلم کی حفاظت کی طرح ایک تقدس مآب فریضہ ہے۔ اصل مقصد پُرامن معاشرہ کی بقا ہے۔ ایسے ماحول کو قائم رکھنے کے لیے شرعی سزاؤں کا نفوذ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

آیت بیان کرتی ہے کہ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ لغوی اور تفسیری الطباق یہ ہوگا ایسی تدبیر جس کے ذریعے مجرم اور مخطی اپنے جرم سے رک جائے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں ایک معزز قبیلے کی ایک عورت نے چوری کی۔ شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جانا تھا تو اس قبیلہ کے لوگوں نے اس چور عورت کی سزا رکوانے کی سر توڑ کوشش کی اور آقا ﷺ کے چہیتے غلام حضرت اسامہ بن زید تک رسائی حاصل کی اور حضور ﷺ اسامہ بن زید کی کوئی بات ٹالتے نہ تھے۔ لہٰذا حضرت اسامہ نے حضور ﷺ سے سفارش کی اس عورت کو معاف کر دیا جائے۔ یہ بات سن کر حضور ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو ان کا ہاتھ بھی میں کاٹنے کا حکم دے دیتا لیکن موجودہ حالات میں معاملہ ہی بالکل الٹ ہے۔ اس معاملہ میں سزا کے نفوذ سے پہلے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

1۔ مسروقہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو۔ چور کی اس مال میں نہ ملکیت ہو اور نہ ہی اس کا شبہ اور نہ ایسی چیزیں ہوں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہوں جیسے رفاہِ عامہ کے ادارے ہوتے ہیں۔

2۔ محفوظ مال چرایا گیا ہو۔ جو مال کسی محفوظ جگہ پر نہ ہو اس کے چرانے پر حد جاری نہ ہوگی۔

3۔ جو اموال اجازت لے کر اٹھائے گئے ہوں ان کو لے جانے پر سرقہ کی حد جاری نہ ہوگی۔

4۔ مال چھپا کر لیا گیا ہو مگر اعلانیہ مال چھینا گیا ہو تو اس پر ڈکیتی کی حد جاری ہوگی۔

5۔ یہ بات بھی فقہا نے عمومی ضابطے کے تحت لکھی ہے کہ سارق بالغ ہو، عاقل ہو، دیوانہ نہ ہو۔

(تبصرہ سے ماخوذ)

46۔ گناہ اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد

”اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے“۔

(الانفال:39)

فتنہ کا معنیٰ فساد کیا گیا ہے۔ ای فسادفی الارض (مظہری)

صاحبِ قاموس نے لفظ دین کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے دین کا معنی غلبہ، بالا دستی اور قوت و اقتدار ہے۔ صاحب تفسیر مظہری نے یہاں دین کے انہی معانی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی تم جنگ جاری رکھو تا کہ حکومت و فرمانروائی اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ عدل و انصاف اور حریت و مساوات کا دور دورہ ہو اور کسی پر بے جا تشدد اور زیادتی کر کے اس کو اس کے عقائد سے روکا نہ جا سکے۔

تفسیر مظہری کے مطابق اس آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جب تک وہ دین اسلام کو قبول نہ کر لیں اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھو۔ جب وہ سر تسلیم خم کر دیں اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کر دو۔ اس لیے یہاں ''الدین'' کا مفہوم غلبہ، بالا دستی، قوت اور اقتدار ہے یعنی جب ملتِ اسلامیہ کو غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا تو پھر اس کے ظلِ ہمایوں کے نیچے اپنوں اور بیگانوں سب کو پناہ مل جائے گی کسی پر جبر و استبداد نہ ہوگا۔ اسلام کو قبول کرنے والے اور اس کو قبول نہ کرنے والے سب عزت اور آزادی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

(ضیاء القرآن جلد دوم (محمد کرم شاہ الازہری)

47۔ مردہ جانور، خون اور سور کا گوشت حرام

''حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھوٹنے سے مرے اور بے دھار چیز سے مارا ہوا جانور اور گر کر مرنے والا اور سینگ کی چوٹ سے مرنے والا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا سوائے ان کے جنہیں تم ذبح کر لو اور حرام ہیں وہ جانور جو بتوں کے تھان پر ذبح کیے گئے ہوں اور پانسے ڈال کر تم نے تقسیم کیا ہو۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا پس جو شخص بھوک کی شدت میں حالت اضطرار میں پڑ کر گناہ میں جھک نہ گیا ہو اس کے لیے رخصت ہے۔ پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ (المائدہ:3)

قرآن مجید کی سورۃ المائدہ میں بتا دیا گیا کہ تمہارے لیے چوپاؤں کا گوشت حلال ہے لیکن ساتھ استثناء کی گئی کہ بعد میں بتا دیا جائے گا کہ جانوروں میں سے کون سے جانور حرام ہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ گیارہ قسم کے جانور ہیں جن کا گوشت حرام ہے۔

1۔ پہلی قسم میتہ ہے، وہ مردار جس کی روح خود بخود نکلی ہو۔

2۔ دوسری قسم خون کا حرام ہونا ہے۔ اس سے مراد سیالی اور بہنے والا خون ہے۔ اصل میں عصر جاہلیت میں لوگ خون پی لیا کرتے تھے۔

3۔ تیسری چیز خنزیر کا حرام ہونا ہے۔

4۔ چوتھی قسم ان چوپاؤں کی ہے جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ اصل میں مشرکین جانور ذبح کرتے ہوئے چیخ چیخ کر اپنے بتوں کا نام لیتے۔ آواز کو بلند کرنے کی مناسبت سے ''اھل'' لفظ استعمال کیا گیا۔

5۔ جو جانور گلا دبا کر یا گھونٹ کر مار دیے گئے ہوں حرام ہیں۔

6۔ وہ موقوذہ جانور ہیں۔ اس لفظ کا معنیٰ چوٹ مار کر جانور کو مار دینا ہوتا ہے۔ عصرِ جہالت میں لوگ لاٹھیاں مار مار کر جانور کو مار دیتے تھے، حرام ہیں۔

7۔ بلندی سے گر کر مر جانے والے جانور حرام قرار دیے گئے ہیں۔

8۔ باہم ٹکرا کر مر جانے والے چوپائے جو ایک دوسرے کو سینگ مار مار کر ہلاک کر دیں۔ ان کا گوشت بھی حرام ہے۔

9۔ وہ چوپائے جنہیں درندوں سے مارا ہو اور کچھ حصہ کھا کر چھوڑ دیا ہو۔ ان کا گوشت بھی کھانا حرام ہے۔

10۔ دسویں قسم ان جانوروں کی ہے جنہیں بتوں کے نصب پر ذبح کیا جائے حرام ہیں۔ بت پرستی، صنم پرستی اور صنم خواہی سرطان ہے۔ اسلام نے اس کی بیخ کنی کی۔

11۔ جوئے کے تیروں سے فال نکال کر ذبح کیے گئے جانور بھی حرام ہیں۔ (تبصرہ سے ماخوذ)

48۔ شراب، منشیات و جوا کی ممانعت:

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا کھیلنا اور بت خانے اور پانسے شیطانی اعمال کی گندگی ہے۔ ان سے بچو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو''۔ (المائدہ:90)

انسانی زندگی میں پانچ اعمال ایسے ہیں جو انسان کو سدھرنے نہیں دیتے:

☆ پہلی چیز غفلت اور سکر ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کے تیقظ کو ختم کرے وہ حرام یا قائم مقام حرام کے ہے۔ شراب جوام الخبائث ہے اور احساسات اور جذبات کی رو کو ختم کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

☆ وقتی تلذذ کے لیے پیسے یا اللہ کی دی ہوئی دیگر نعمتوں کو فضول خرچ کرنا انتہائی برا ہے۔

جوا کھیلنا صرف غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہی نہیں لڑائی جھگڑا کا بھی ایک سبب ہے۔ اس لیے اس گندے عمل سے منع کر دیا گیا۔

☆ تیسری چیز بت پرستی ہے اور ایسی جگہوں سے مذہبی عقیدت ہو جہاں بت پرستی ہوتی ہے۔ ہر گندہ کام مفوض الی النار ہوتا ہے۔

☆ چوتھی چیز جوا کے لیے تیر افگنی ہے۔ اصل میں تو ہمات عقیدہ کو تباہ کرنے والے مبادی ہوتے ہیں ان سے اجتناب ہی دانائی ہے۔

☆ پانچویں چیز شیطان پرستی ہے۔ یہ ناری مخلوق بندہ کو دوزخ کا ایندھن بنا کر چھوڑنے والی ہے۔ قرآن مجید ان تمام گندگیوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ (تبصرہ)

49۔ ہیرا پھیری نہ کرو اور بات سیدھی کرو۔

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ہمیشہ سیدھی اور کھری بات کیا کرو''۔

(الاحزاب:70)

اس آیتِ کریمہ میں ارشاد باری ہے کہ ایمان والوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اور اس کے احکامات کی کما حقہ پیروی کرنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں وہ ناراض ہی نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ جب بھی کوئی بات کرتے ہیں لگی لپٹی بات نہیں کرتے بلکہ ٹھوس، پکی، سچی، کھری اور سیدھی بات کرتے ہیں اور ہیرا پھیری اور فضول بات میں وقت ضائع نہیں کرتے۔

50۔ چغلی نہ کھاؤ:

''بربادی ہے ہر اس شخص کے لیے جو رُو برُو

عیب جوئی کرے اور پیٹھ پیچھے بدی کرے"۔
(سورۃ الھمزہ:1)

ویل: امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں یہ لفظ مذمت اور اظہارِ غضب کے لئے ہے۔

زبیدی حنفی نے اس کا معنیٰ عذاب اور بدانجامی کا شکار ہوجانا لکھا۔

امام ترمذی کی ایک روایت کے مطابق "ویل" ایک غار ہے جس میں منکرِ حق مدت دراز تک گرتا چلا جائے گا۔

بعض مفسرین کے مطابق "ویل" جہنم میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

"ھمز" کا لغوی معنیٰ توڑنا ہوتا ہے، دھکا دینا، کچوکہ دینا اور کاٹ کھانا بھی ہے۔ دوستوں میں جھگڑا ڈالنے اور جماعت میں تفریق پیدا کرنے والے شخص کو "ھامز" کہتے ہیں ابن فارس کے نزدیک اس کا مطلب دبا کر نچوڑنا بھی ہے۔ وہ شخص جسے ہر جگہ خرابی ہی خرابی نظر آئے ھامز ہوگا۔ عیب چینی بھی مفہوم میں شامل ہے۔

"لمزہ لمز" سے ہے اور یہ لفظ غیبت کرنے، چغلی کھانے اور عیب جوئی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں آنکھ، سر، ہونٹوں سے اشارہ کرنا اور خفیہ بات کرنا جس سے مذاق اڑانا مقصود ہو "لمز" کہلاتا ہے۔ دوستوں کو دوستوں کے خلاف بھڑکانا، چغل خوری کرنا، الزامات دھرنا بھی "لمز" ہے۔

ہر چیز میں خامی دیکھنے والا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے والا شخص دراصل خود ہی اپنے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے "ھمز لمز" بیماری ہے جس سے دل مردہ ہوجاتے ہیں۔ خیر اور شر کی تمیز نہیں رہتی۔ عام طور پر یہ مرض مال کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اخلاقی اقدار کا دیوالیہ بھی انسان کو عیب چینی، غیبت اور بدخواہی کرنے والا بنا دیتا ہے۔

یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہوتے لیکن اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اسلام ان کے اندر برائے نام ہوتا ہے۔ اس سورت میں تمسخر، غیبت، مذاق اڑانا، ہاتھوں اور آنکھوں سے اشارے کرکر کے کسی کو چھوٹا سمجھنا، کسی کو بے وقوف بنانا، عیب جوئی کرنا یعنی "ھمز" اور "لمز" سے منع کیا گیا ہے۔ ایمان اور کمینگی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے

سورۂ ھمزہ جس وقت نازل ہوئی یہ وہی دور تھا جب مشرکین حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑا رہے تھے کبھی آنکھوں سے اشارے کرتے اور کبھی ہاتھوں سے اشارے کرکے طنز کرتے اور کبھی زبان سے گھناؤنے الزامات گھڑتے۔

رسولِ کریم ﷺ کا گستاخ جتنا بھی فضیلت مآب منصب پر فائز ہو رذالت مآب ہی ہوتا ہے۔ اس کے کمینہ اور گھٹیا ہونے میں کسی بھی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ انہی قسم کے لوگوں کے لیے "ویل" ہے۔
(تبصرہ سے اقتباسات)

51۔عبادات کے وقت زیب و زینت اور کھانے پینے میں اسراف سے ممانعت:

"اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے وقت زیب و زینت اپناؤ اور کھاؤ اور پیو اور حدود شکنی نہ کرو، بے شک وہ حد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (سورۃ الاعراف:31)

اس دنیا فانی میں انسان نے اگر کسی بڑے معزز شخص یا وزیر یا وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم، صدر یا اس طرح کی دوسری اہم شخصیات سے ملنا ہو یا کسی شادی یا تقریب میں شرکت کے لیے جانا ہو تو نہا دھو کر، اچھے سے اچھا لباس زیب تن کرکے اور خوشبو وغیرہ لگا کر اور بن ٹھن کر گھر سے نکلتا ہے لیکن ربّ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ اے اولادِ آدم تم دنیاوی منفعتوں کی خاطر خوب سج سنور کر نکلتے ہو لیکن جب مالکِ کائنات وارض وسما اور سب سے اعلیٰ وارفع کے سامنے حاضر ہوتے ہو تو تم لاپرواہی اور غفلت میں پڑ جاتے ہو۔ تمہیں پیدا کرنے والا اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازنے والا میں ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ جب میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہو، عبادات وغیرہ کرنی ہوں اور ذکر و اذکار اور مناجات کرنی ہوں تو خوب پاک صاف ہوکر، اچھا لباس زیب تن کرکے اور خوشبو لگا کر بڑے وقار سے عجز و نیاز کا پیکر بن کر حاضری دو اور اپنا دستِ سوال دراز کرو۔ میں تمہیں وہ کچھ دوں گا اور اتنا دوں گا کہ تمہیں کسی چیز کی حاجت ہی نہ رہے گی۔ اس دنیا کے ساتھ ساتھ تمہاری آخرت بھی سنواردوں گا اور پھر فرمایا کہ جو میں نے تمہیں نعمتیں کھانے کے لیے دے رکھی ہیں خوب کھاؤ اور پیو اور دوسروں کو بھی اس میں شامل کرو اور پھر میرا شکر ادا کرو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیٹ بھر کر اتنا کھا لو کہ سانس لینا مشکل ہو جائے اور تم بسیار خوری کے سبب بیمار پڑ جاؤ اور غفلت، سستی اور نیند کے غلبے کا شکار ہو جاؤ اور میری عبادات سے منہ موڑ لو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اولادِ آدم کو نصیحت کی کہ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کم بولنے، کم سونے اور کم کھانے والے اللہ کے دوست اور اس کے قرب میں ہوتے ہیں۔

52۔طہارت قائم رکھو:

"آپ اس مسجد ضرار میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں قدم رکھیں، محبوب! مسجد تو وہی ہے جس میں وہ عظیم لوگ ہیں جنہیں صاف ستھرا رہنے سے بڑا پیار ہے اور اللہ بھی پاکیزہ لوگوں ہی سے محبت فرماتا ہے"۔
(التوبہ:108)

منافقین نے ایک مکان کو مسجد کی شکل دے دی۔ اصل مقصد مومنوں کو گمراہ کرنا تھا اور اس جگہ پر منافقین صلاح مشورہ اور سکیمیں تیار کرتے تھے اور مومنوں کو بھی دعوت دیتے کہ یہاں آکر ہماری مسجد میں نماز ادا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی گھناؤنی سازش سے بے آگاہ کر دیا تھا۔ بعد میں آپ ﷺ نے صحابہ کو بھیج کر اس جگہ آگ لگوا دی اور مسجد کو منہدم کرا دیا۔ اس مسجد کا لقب ضرار مشہور ہے۔ بوجہ اس کے سبب ضرر کا تھا۔ مسجد وہی ہے جو تقویٰ کی بنیاد پر رکھی گئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا مسجد تو وہی ہے جس میں وہ عظیم لوگ ہیں جنہیں صاف ستھرا رہنے سے بڑا پیار ہے اور اللہ بھی پاکیزہ لوگوں ہی سے محبت فرماتا ہے۔

طہارت نصف ایمان ہے۔ پاکیزگی ایمان کا جزو لاینفک ہے۔

53۔اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں:

"کہا گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے"۔
(سورۃ الحجر:56)

مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ مایوسی گناہ ہے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اللہ اپنے بندے سے بہت پیار کرتا ہے۔ ماں سے ستر گنا زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے پیار ہے۔ کسی مشکل میں پھنس جاؤ، کوئی بیماری لگ جائے، کوئی حاجت ہو تو خلوص دل کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ سے دستِ سوال دراز کرو وہ تمہیں

کبھی بھی مایوس نہیں لوٹائے گا۔

جے میں ویکھاں اپنے عملاں ولے
تے کجھ نہیں میرے پلے
جے میں ویکھاں تیری رحمت ولے
تے بلے بلے بلے

54۔کوئی شخص کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

''اور کوئی پرسشِ اعمال کا بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کوئی بوجھ سے لدا ہوا شخص کسی دوسرے کو بوجھ اٹھانے کے لیے کہے گا تو اس سے کوئی چیز بھی نہ اٹھائی جاسکے گی اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو، آپ کی مہلک آگاہی کا فیض ربّ سے بن دیکھے ڈرنے والوں ہی کو پہنچ سکتا ہے اور ان لوگوں کو جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص تزکیہ کرتا ہے تو اس کے تزکیہ میں اس کی اپنی ذات ہی کے لیے فائدے مضمر ہوتے ہیں اور لوٹنا تو بالآخر اللہ ہی کی طرف ہے''۔

(سورۃ الفاطر:18)

روزِ محشر نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ بندے کے حقیقی رشتہ دار، ماں، باپ، بہن بھائی و دیگر رشتہ دار ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے۔ پرسشِ اعمال کے بوجھ تلے دبے ہوں گے اور خوف کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں لوگ بھٹکتے دکھائی دیں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی سفارش کام آئے گی۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہ ہوگا لیکن ڈر، خوف سے بے نیاز وہ لوگ ہوں گے جو عملِ صالح کرتے رہے۔ تزکیہ نفس کرتے رہے۔ نماز اور دیگر عبادات میں مصروفِ کار رہے اور اللہ سے ڈرتے اور اس کا فضل اور رحمت مانگتے رہے اور اللہ کی ربوبیت پر ایمان میں مضبوط رہے اور بن دیکھے اللہ ربّ العزت کو معبودِ حقیقی مانتے رہے اور ان تمام افعال میں بندے کے اپنی ذات کے فائدے ہی مضمر ہیں اور بالآخر سب نے لوٹ کر جانا تو اللہ کی طرف ہی ہے۔

55۔برائی کو اچھائی سے ختم کرو:

''اور نہ تو نیکی برائی کے برابر ہوسکتی ہے اور یہ بھی کہ برائی نیکی کے کہاں برابر ہوسکتی ہے ہمیشہ ان اعمال کو اپنے دفاع کا ذریعہ بناتے رہو جن میں حسنِ حقیقی انتہا درجے پر ہو تو ایسا شخص کہ تمہارے اور اس کے درمیان عداوت ہو تو وہ گہرے دوست کی طرح ہو جائے گا''۔ (حم السجدہ:34)

نیکی اور برائی، خیر اور شر کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ نیکی اور خیر کا پلڑا ہمیشہ بھاری ہی ہوگا خیر امن، سکون، راحت، فلاح و خیر خواہی اور **خیر الناس من ینفع الناس** کا منبع ہے۔ جب کہ شر برائی، ذلالت، گمراہی، انتشار، بدخواہی، بدتہذیبی اور بدمزاجی کا مجموعہ ہے۔ خیر پاکباز لوگوں کا وطیرہ ہے اور شر شیطانی نحوستوں کا ذخیرہ ہے۔ مومن اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہمیشہ ایسی روش کے متلاشی رہتے ہیں جن میں زندگی اور معاشرے کا حقیقی حسن جگمگائے اور فلاحِ انسانیت کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ وہ اپنے اعمال، افعال اور کردار سے اتنی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں کہ بنی نوع انسان کا فرشتوں سے افضل ہونے کا مفہوم سمجھ آنے لگ جاتا ہے۔ یہ لوگ برائی کا جواب برائی سے نہیں بلکہ بھلائی سے دیتے ہیں اور اپنے اخلاق کو برتر رکھتے ہیں کہ دشمن بھی شرمسار ہو جائے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ میرے فعل و کردار اور دوسرے شخص کے افعال و کردار میں کتنا فرق ہے؟ کہتے ہیں کہ تلوار وہ کام نہیں کرسکتی جو حسنِ اخلاق کر دکھاتا ہے۔ حسنِ اخلاق، نیکی، بھلائی، عفو و درگزر، نرم گوئی سخت سے سخت دشمن کو بھی موم کر دیتی ہے اور دشمنی کو دوستی میں بدل دیتی ہے۔ معین الدین چشتی اجمیری نے ہمدردی اور حسن اخلاق کی دولت سے ہی نوے لاکھ غیر مسلموں کو مسلمان کیا تھا۔ داتا علی ہجویری بابا فرید، نظام پاک جیسی بہت ہی اولو العزم ہستیوں نے اخوت و محبت کے بیج بو کر لاکھوں، کروڑوں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب بپا کیا تھا۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

(باقی آئندہ)

بقیہ: ''نقشبندیہ عجب قافلۂ سالار ہیں''

امرا کی نسبت غربا سے محبت رکھنے والا ہو، نفس کشی کر چکا ہو، دائمی ذاکر ہو، اپنے شیخ کی محبت اور ادب میں ڈوبا ہوا ہو، طمانیت نفس، سخاوت، قناعت، صدق، توکل اور وفا ایسی صفات حمیدہ کا آئینہ ہو۔ انوار الٰہی کا مظہر ہو، ناجنسوں سے پرہیز کرتا ہو''۔

تعلق بالمرشد

جس طرح چھت پر پہنچنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح معرفت خداوندی کے لیے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ بمنزل سیڑھی ہوتا ہے مطلوب سیڑھی نہیں ہوتی۔ مطلوب نے چھت پر پہنچنا ہوتا ہے لیکن سیڑھی کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مرشد یا شیخ کی اہمیت اٹل ہے۔ یاد رہے بیعت کوئی رسمی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے قرب خداوندی مقصود ہے لیکن ان منازل کو طے کرنے کے لیے صوفیا کرام فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول کی منازل سے گزر کر فنا فی اللہ کی جانب لے جاتے ہیں۔ فنا فی الشیخ پہلا اہم قدم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ:

1۔طالب یہ تصور کرے کہ میرا شیخ ہی سب سے زیادہ میرے لیے نافع ہے۔ دنیا میں بے شمار قطب و ابدال ہوں گے لیکن فیوض و برکات مجھے اسی در سے نصیب ہوں گے۔

2۔آپ اپنے مرشد کو جتنا باکمال سمجھیں گے اتنے ہی زیادہ روحانی فیوض و برکات ملیں گے۔ یہ تصور قائم کریں کہ میرے مرشد سب سے زیادہ باکمال ہیں۔ اپنے مرشد کے کمالات کی جانب ہی توجہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی امر سمجھ نہیں آتا تو اپنی عقل کا قصور سمجھا جائے۔

قبلہ لالہ جی فرمایا کرتے تھے:

''اگر کوئی دوسرا شیخ سالک کی جھولی میں آسمان سے تارے توڑ کر بھی ڈال دے۔ تو بھی اسے اپنے مرشد سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے کہ ترقی مدارج ہمہ دم اپنے مرشد کی محتاج رہتی ہے''۔

3۔مرشد کامل کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط اور بتائے ہوئے اعمال پر پوری کوشش سے عمل کیا جائے۔ اصولی طور پر اپنی مرضی ترک کر کے مرشد کی رضا کے مطابق زندگی گزاری جائے تو کامل مرشد بہت جلد آپ کو اپنے مقصود کی طرف لے جائے گا یعنی فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کی منازل طے کروا دے گا پھر لازمی آپ کی حیات مستعار اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان ہو جائے گی اور معرفت خداوندی کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

تعمیرِ ملت

چھینا جھپٹی مسائل کے حل کا طبل مسرت نہیں بجا سکتی

''تعمیرِ ملت'' کے منشور پر شعور، قربانی، انسان دوستی کی تحریکات رنگ لا سکتی ہیں۔ عطار کے بیٹے کس قدر سادہ دل ہیں کہ
گندے جوہڑ کے پانی سے اپنے پسرِ ایمان کو غسل دینا چاہتے ہیں۔
اس وقت مسلمانوں کا سارا سرمایہ تو یہودیوں کے ہاتھ میں محصور ہے۔
وہ اس کو ''حرم ایمان'' کی سلطنت میں کیسے خرچ ہونے دے سکتے ہیں؟

میں اپنے وطن کے قائدین کے پاؤں چھو کر ہی عرض کر سکتا ہوں کہ سمجھیے اگر ہمارے پڑوسی ملک کی کسی سرحد پر چھوٹی سی بھی ریاست اسرائیلی مفاد میں قائم کر دی گئی خواہ اس کا نام کوئی بھی ہو وہ مسلمانوں کے حق میں ہرگز بہتر نہ ہوگا۔ وہ وقت آنے سے پہلے خود کو مضبوط کر لیں اور استحکام کا کوئی سریع النتیجہ منشور اپنائیں، ایسا منشور جو مادر گیتی پر ایک اور اسرائیل ہونے سے دنیا کو بچا لے۔

یہ بات درست ہے کہ جدید دنیا میں معاش کا مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا ہے
اور نئی ریاستوں میں نئی منصوبہ بندیاں دعویٰ رکھتی ہیں کہ انسان معاشی حیوان ہے۔
اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے
تو یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ انسان ایک ذہنی، اخلاقی اور روحانی وجود بھی رکھتا ہے۔
کوئی ایسا نظام، کوشش یا اقدام خواہ کتنا ہی مخلصانہ ہو اگر ایک ہی ضرورت کو اہمیت دے
اور دوسرے پہلوؤں کو گھٹائے یا نظر انداز کرے تو وہ دیر پا نہیں ہو سکتا۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک انتخاب

منجانب

پروپرائیٹرز: حاجی نصیر احمد، رانا پرویز احمد، محمد جاوید
عرفان مکینیکل انجینئرنگ ورکس نزد کوٹ لکھپت سٹیشن لاہور
فون 0321-4501316